اس کتاب مین مصنف نے اپنے مخصوص طرز تحریر مین سوانح نبوی اور سیرت پاک کے مختصر حالات، خُلق، اور اُسوۂ حسنہ کے واقعات، اسلام کے ضروری عقائد و ارکان اور اخلاقی تعلیمات کو سادہ اور دلنشین انداز مین لکھا ہے، جس سے تاریخی اور مذہبی معلومات دونون حاصل ہو جاتے ہین، کتاب بچون کو پڑھانے کے لائق ہے،

حسنِ معاشرت، از خیر النسا، صاحبہ والدہ مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی تقطیع اوسط، ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت ۱۰/ پتہ:- مکتبۂ اسلام گوئن روڈ، لکھنؤ،

اردو مین لڑکیون کی تعلیم و تربیت کی اچھی کتابین بہت کم ہین، یہ مفید کتاب اسی مقصد کے لئے لکھی گئی ہے، اس مین لڑکیون کی گھریلو زندگی کے تمام فرایض خانہ داری، پرورش اولاد، متعلقین کا لحاظ، اُن کے حقوق و فرایض حسنِ معاشرت، مذہبی زندگی وغیرہ، جملہ معاشرتی اخلاقی اور انتظامی امور کی تعلیم دیگئی ہے، جس سے ایک عورت میکہ اور سسرال دونون مین کامیاب اور مسرور زندگی بسر کرسکتی ہے، یہ کتاب لڑکیون کے نصاب مین رکھنے کے لائق ہے،

تعلیم الاسلام، از مولانا سید عبد الحی صاحب مرحوم تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۸ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۶/ پتہ، مکتبۂ اسلام گوئن روڈ، لکھنؤ،

یہ مختصر رسالہ مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلما، کی تصنیف ہے، اس مین آسان زبان مین نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقۂ فطر، قربانی اور عقیقہ کے ضروری مسائل اور قریبی اعزہ، پڑوسیون، اور مسلمانون کے باہمی حقوق و فرایض تحریر کئے گئے ہین، یہ کتاب بھی مسلمان بچون کے پڑھانے کے لائق ہے،

"م"

جلد ۶۷ ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۵۱ء عدد ۲

مضامین

مقالات

ادبیات

شذرات

افسوس ہے کہ ہندوستان کے نامور شاعر جناب سیماب اکبرآبادی نے جو کچھ دنون سے فالج مین مبتلا تھے، ۳۱ جنوری کو کراچی مین انتقال کیا، وہ داغ کی یادگار، صاحب طرز اور موجودہ دور کے اساتذہ مین تھے، اُن کے شاگردون کا دائرہ بہت وسیع اور اُن کا ایک خاص حلقہ تھا، انھون نے اپنے رسالہ شاعر آگرہ کے ذریعہ اردو ادب وشاعری کی بڑی خدمت انجام دی، اور ہندوستان کے اُن حصون مین بھی جہان شاعری کا چرچا کم تھا اس کا مذاق پیدا کر دیا، اس لئے اُن کی موت تنہا ایک شاعر کی نہین، بلکہ ایک محسنِ ادب اور خدمت گذارِ اردو کی موت ہے، اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی رحمت ومغفرت کی داد وتحسین سے نوازے،

کوئی قوم اپنی مذہبی وملی روایات کو چھوڑ کر اپنا مستقل وجود قائم نہین رکھ سکتی، اور نہ دوسری قومون کی اندھی نقل وتقلید سے اُن مین کوئی عزت ومرتبہ حاصل کر سکتی ہے، اور تجربات کے بعد بالآخر اس کو اپنے اصل مرکز کی جانب لوٹنا پڑتا ہے، انقلابی دور کے تغیرات کی حیثیت سیلاب کی رو سے زیادہ نہین ہوتی، اس کا زور گھٹنے کے بعد خود اعتدال پیدا ہو جاتا ہے، اس کی مثال ترکی ہے، کمالی دور کی انتہا پسندی سے بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ ترکی سے اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا، اور مغرب زدہ طبقہ اس کو اپنی بڑی فتح وکامرانی سمجھتا تھا، حالانکہ اس وقت بھی اکثریت صرف برسرِ اقتدار طبقہ تک محدود تھی، ورنہ ترکی قوم مسلمان تھی، مصطفیٰ کمال کے بعد ہی عصمت انونی ہی کے زمانہ مین مغرب زدگی کا جنون گھٹنے لگا تھا، اور اب ترکی کے نئے صدر جلال بائی کے انتخاب کے بعد اس مین اور زیادہ اعتدال پیدا ہو گیا ہے، وہ مذہبی جذبہ رکھتے ہین، اور مذہبی امور کی جانب

اُن کی خاص توجہ ہے، چنانچہ اُن کی حکومت نے استاد احمد حمدی اکسیکی کو مذہبی امور کا ناظم بنا کر اُن کو مذہبی اصلاحات کے جملہ اختیارات تفویض کر دیئے تھے، انھون نے ترکی کی مجلس وطنی سے حسبِ ذیل سفارشین کی تھین،

ترکی کے بجائے عربی زبان مین اذان جاری کیجائے، درسگاہون مین مسلمان طلبہ کے لئے مذہبی تعلیم لازمی قرار دی جائے، ریڈیو مین قرآن مجید کی تلاوت وتفسیر احادیث نبوی کی تبلیغ واشاعت اور مذہبی ارشاد ومواعظ کا خاص پروگرام رکھا جائے، مذہبی اوقاف کا انتظام حکومت کے بجائے دینی ادارون کے ہاتھ مین دیدیا جائے، دینی تعلیم وتربیت کے لئے مخصوص ادارے قائم کئے جائین، اُن مین سے اول الذکر تین سفارشین منظور ہو چکی ہین، اور یقین ہے کہ باقی بھی منظور ہو جائینگی،

قسطنطنیہ مین بہت سی جامع مسجدین ہین، اس کے باوجود ترکون مین نئی مسجدون کی تعمیر اور پرانی مسجدون کی آبادی اور اُن کے اہتمام وانتظام کا بڑا ذوق پیدا ہو گیا ہے، جس دن پہلی مرتبہ مسجدون مین عربی مین اذان کی آوازین بلند ہوئین، اس دن ترکی کے طول وعرض مین خوشی ومسرت کی لہر دوڑ گئی، اور ہر شخص دوسرے کو تبریک وتہنیت دیتا تھا، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اب ہوا کا رُخ کدھر ہے، دوسرے اسلامی ملکون کو اس تجربہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے،

اردو اتنی مقبول عام زبان ہے اور اس مین ترقی کی اتنی صلاحیت ہے کہ وہ ابتدا سے بغیر کسی خاص کوشش اور سہارے کے اپنے جوشِ نمو سے پھولتی پھلتی رہی، اس کی یہ خصوصیت آج بھی قائم ہے، چنانچہ جن علاقون مین اس کے مٹانے کی کوشش نہین ہو رہی ہے، اور اس کو بھی پنپنے کا موقع دیا جا رہا ہے، وہان اس کی ترقی کی پرانی رفتار قائم ہے، صوبہ بمبئی کو اردو زبان سے کوئی خاص نسبت اور تعلق نہین ہے، لیکن وہان کی حکو

اسے بھی ملکی زبان سمجھتی ہو، اس لئے اس صوبہ مین اردو کی ترقی برابر جاری ہے، اور تنہا شہر بمبئی سے اردو کے درجنون اخبارات و رسالے نکلتے ہین، اردو کی خدمت کے متعدد علمی و ادبی ادارے اور بہت سے تجارتی مکتبے، اور دار الاشاعت قائم ہین جن مین سے بعض ترقی پسند ہندوؤن کے بھی ہین، اس کا موازنہ اگر ہمارے صوبے کیا جائے جو اردو کا مرکز کہلاتا ہو تو حیرت کا سمان نظر آجاتا ہو، کیا ہمارے صوبہ کی حکومت اس سے کچھ سبق حاصل کر سکتی ہو؟

اردو زبان کی اشاعت و ترقی کا ایک بڑا ذریعہ اردو اخبارات ہین، ہم نے اس سے پہلے بھی لکھا تھا کہ اس مقصد کے لئے اردو اخبارات کا معیار بلند کرنے کی ضرورت ہو گو اس مین بڑا قصور اس طبقہ کا ہے جو اردو کی زبانی ہمدردی اور حمایت کے باوجود اردو اخبارات کا مطالعہ کسر شان سمجھتا ہے، لیکن اگر اخبارات کا معیار بلند ہو جائے، تو لوگ خود اُن کی جانب متوجہ ہو جائین گے، قول و عمل کا یہ تضاد اردو کے حامیون کے ساتھ مخصوص ہے کہ ایک طرف اُن کی زبانون پر اردو کے زوال کا ماتم ہو دوسری طرف اُن کو اس کی ترقی کے معمولی وسائل اختیار کرنے کی توفیق نہین ہوتی، اور وہ اس کے لئے ادنی ایثار بھی گوارا نہین کر سکتے، یہ کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ ہندوؤن کے اردو اخبارات تیج، ملاپ، اور اجیت وغیرہ کی اشاعت انگریزی اخبارات سے کم نہین ہو اور مسلمانون کے اخبارات کیلئے زندگی قائم رکھنا دشوار ہے، ہماری غفلت و بے حسی کا یہ حال ہو کہ الجمعیۃ جیسے اہم اور مفید اخبار کی ز [illegible] کی جانب بھی توجہ نہین کرتے، تو دوسرے اخبارات کا کیا ذکر ہو، معمولی درجہ کے بہت سے اخبارات نکالنے سے ایک اعلیٰ درجہ کا اخبار نکالنا سیاسی و ادبی و لسانی ہر حیثیت سے کہین بہتر ہے،

نیپال کی ترائی کے مسلمانون کی مذہبی حالت ہمیشہ سے خاص توجہ کی مستحق رہی ہو، اور اس کام کو مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر عرصہ سے انجام دے رہا ہے، لیکن ہندوستان کے بہت سے دوسرے عربی مدارس کی طرح آج کل یہ مدرسہ بھی موت و حیات کی کشمکش مین مبتلا ہے، اس نواح مین تنہا یہی مدرسہ ہے جس پر یہان کے مسلمانون کی مذہبی تعلیم کا دار و مدار ہے، اس لئے اس کو قائم رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے، جو اصحاب خیر مدرسہ کی مدد کرنا چاہئین وہ مولانا عبد الرؤف صاحب ناظم مدرسہ جھنڈا نگر ڈاکخانہ [illegible] گنج ضلع بستی سے مراسلت کرین،

مقالات

شیخ فرید الدین عطار کے حالات و تصانیف کے متعلق ہندو ایران کے علماء کی تحقیقات

از

ڈاکٹر محمد ابراہیم ڈار استاذ عربی اسمٰعیل کالج بمبئی

(۲)

عطار کا لقب فرید الدین غالباً تمام ماخذون مین درج ہے، ایام جوانی مین عطار نے فرید بطور تخلص بھی استعمال کیا ہے، چنانچہ ۲۰۸ غزلون مین یہی تخلص فرید پایا جاتا ہو، کبھی کبھی مثنویون مین بھی فرید کا استعمال ملتا ہے، مصیبت نامہ کے آخر مین کہتے ہین ؛

این چہ شور است از تو در جان اے فرید

نعرہ زن از صد زبان هل من مزید

عطار کا صحیح نام و نسب فرید الدین ابو حامد محمد بن ابو بکر ابراہیم بن اسحاق نیشاپوری ہے، آقای نفیسی نے لقب زین الدین اور کنیت ابو طالب کو غلط ٹھہرایا ہے، حاجی خلیفہ نے کشف الظنون مین ایک مقام پر عطار کے پردادا کا نام شعبان لکھا ہے، اس قسم کے نامون کے متعلق آقائے نفیسی نے بڑی مفید اطلاع بہم پہنچائی ہو، اُن کے نزدیک حاجی خلیفہ کا یہ قول درست نہین، کیونکہ چھٹی، اور ساتوین صدی مین اس قسم کے

نامون کا ایران مین رواج نہ تھا، یہ دہقانیون کی رسم ہے، جو بہت بعد کے زمانہ مین رائج ہوئی، جس مہینہ مین اُن کے یہان بیٹا پیدا ہوتا ہے اس مہینہ کے نام سے اپنے بچّون کو یاد کرتے ہین، مثلاً محرم، صفر، ربیع، رجب، رمضان، اور شعبان، جہان تک ایرانی فاضل کی معلومات کا تعلق ہے، وہ کہہ سکتے ہین کہ آٹھوین صدی کے آخر اور نوین صدی کے آغاز مین یہ رواج مغربی ایشیا بالخصوص ایشیاے کوچک، سرزمین عثمانی اور مصر مین شروع ہوا، اور ان ممالک سے دوسرے ملکون مین پہنچا، آج بھی ایران مین اس قسم کے نام دہقانیون کے یہان ملتے ہین، اور شریف خاندانون اور علماء کے گروہ مین ان نامون کا رواج نہین،

عطار کے والد کا پیشہ بھی عطاری تھا، اور وہ اپنے والد کی دوکان پر ہی بیٹھتے تھے، عطار کی اولاد کے بارے مین صحیح اطلاع مفقود ہے، تاہم آقاے نفیسی بڑے یقین اور اذعان کے ساتھ بیان کرتے ہین کہ عطار کا ایک بیٹا ضیاء الدین یوسف نامی تھا، جس کو عطار بلبل نامہ کے خاتمہ مین نصیحت کرتے ہین، اور جس کی عمر اس وقت چار سال تھی، یہ عجیب اتفاق ہے کہ علامہ شیرانی بھی بلبل نامہ کے مطالعہ سے شروع مین اسی نتیجہ پر پہنچے تھے، اگرچہ انھون نے اپنا شک اس طرح ظاہر بھی کر دیا تھا،

"مختلف بلبل نامون کے خاتمون مین اشعار بالا میری نظر سے گذرے ہین، تاہم مجھ کو یقین نہین آتا کہ یہ عطار کے قلم سے نکلے ہین" (تنقید شعر العجم ص ۳۷۰)

شیرانی صاحب کا قیاس بالکل درست نکلا، کیونکہ جیسا کہ انھون نے تنقید کے اسی صفحہ کے ذیلی حاشیہ مین لکھا ہے، یہ اشعار مولانا جامی کے ہین، اور ان کی مثنوی تحفۃ الاحرار (مقالہ بستم در پند دادن فرزند ارجمند) مین موجود ہین، ضیاء الدین یوسف جامی کے فرزند کا نام ہے،

دولت شاہ نے عطار کی تاریخ ولادت ۵۱۳ھ بتائی ہے، اور بعد کے تذکرہ نگارون نے عام طور پر اسی کو نقل کیا ہے، لیکن آقاے نفیسی کی تحقیق یہ ہے کہ عطار ۵۳۷ھ کے قریب عالم وجود مین آئے، دولت شاہ عطار کو دراصل کدکن کا باشندہ بتاتے ہین، (کدکن نیشاپور کے پاس ایک گاؤن ہے)

عطار کے مزار پر جو کتبہ ہے اور جو نوین صدی کے آخری ربع کی یادگار ہے اس کی رو سے عطار کی جاے ولادت زروند ہے، اور جاے سکونت کدکن ہے، آقاے نفیسی کی راے مین یہ لفظ زروند نہین بلکہ زوراباد ہے، جس کے دوسرے نام غالباً طرثیث، ترشیش اور ترشیز ہین، آقاے نفیسی نے کدکن، نیشاپور اور شادیاخ کے متعلق بہت قیمتی معلومات فراہم کی ہین، اگر ۵۱۳ھ کو عطار کی تاریخ ولادت تسلیم کر لیا جائے، تو انکی مدّت عمر ۱۱۴ سال ہوتی ہے، اور اتنی لمبی عمر مستثنیات مین سے ہے، اس کے علاوہ عطار اپنے اشعار مین نوّے سال کا ذکر کرتے ہین، اس تاریخ کو درست قرار نہ دینے کے لئے آقاے نفیسی کے نزدیک ایک بڑا قرینہ یہ ہے کہ عطار حضرت نجم الدین کبریٰ کے شاگردون اور اصحاب مین سے ہین، جن کی تاریخ ولادت ۵۴۰ھ ہے، یہان یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ عطار جو عمر مین ستائیس سال حضرت نجم الدین سے بڑے تھے، کیونکر اُن کے شاگردون کے حلقہ مین داخل ہوئے، یہ امر کہ عطار نجم الدین کبریٰ کے شاگرد ہین محلِ نظر ہے، اس لئے کہ آقاے نفیسی کے بیان کی تائید صرف ایک ذریعہ سے ہوتی ہے، اور وہ کتاب ینابیع المودت ہے، جسے شیخ سلیمان بن شیخ ابراہیم معروف بخواجہ کلان خاندانِ رسالت کے مناقب مین ۱۲۹۱ھ مین تالیف کرتے ہین، یہ مصنف عطار کی کسی کتاب مظہر الصفات کے حوالہ سے ایک واقعہ نقل کرتا ہے جس مین عطار نجم الدین کبریٰ کو "شیخی وسندی" کے القاب سے یاد کرتے ہین، یہ مظہر الصفات عطار کی ایک ایسی تصنیف ہے جس کا ذکر کسی دوسرے ماخذ مین نہین ملتا، اب ایک ایسا شخص جو تیرہوین صدی کے آخر مین لکھ رہا ہے، محض اس کے بیان پر بھروسہ کر کے اس انتساب کی صحت کو کیونکر تسلیم کیا جائے، اگرچہ آقاے نفیسی کو پورا یقین ہے کہ یہ کتاب اب بھی ترکی مین کسی نہ کسی جگہ موجود ہونی چاہیے،

عہد زندگی کے عنوان کے تحت آقاے سعید نفیسی نے حضرت نجم الدین کبریٰ، امام مجد الدین خوارزمی بغدادی، خواجہ سعد الدین خراسانی، قطب الدین حیدر اور شیخ رکن الدین اکافی پر بڑے قیمتی اور پُر از معلومات نوٹ لکھے ہین،

عطار کی توبہ کے واقعہ کو نفحات الانس تذکرۂ دولت شاہ اور دوسری کتابون مین بڑے دلفریب طریقے پر بیان کیا گیا ہے، لیکن آقائے نفیسی کا یہ خیال بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص فرید الدین عطار کی طرح ذوق وطبیعت رکھتا ہو، وہ خود بخود تصوف وعرفان کی طرف مائل ہوتا ہے اور اسے کسی کرامت یا کرشمے کی ضرورت نہین پڑتی،

عطار کی تاریخ وفات کے متعلق ایک عجیب اختلاف ہے، اور ۵۸۶ھ سے ۶۲۷ھ تک بیس مختلف اقوال ہین لیکن پوری چھان بین کے بعد آقائے نفیسی ۶۲۷ھ کے حق مین اپنی راے دیتے ہین، دولت شاہ کا بیان ہے کہ عطار کی قبر شادیاخ کے باہر ہے، اور اس پر قاضی صاعد بن یحیی نے ایک عمارت بنوائی تھی، لیکن اس کے بعد امیر علی شیر نوائی نے دوبارہ عمارت تعمیر کرائی، اس عمارت کے کتبہ کا ذکر اوپر آچکا ہے،

چونکہ تاریخ اسلامی مین کئی بزرگ عطار کے لقب سے مشہور رہ چکے ہین، اس لئے آقائے نفیسی نے ان مین سے بعض کا ذکر کیا ہے، مثلاً علاء الدین محمد بن محمد عطار بخاری، عطار طوسی، ابوزکریا یحیی بن علی بن سلیمان معروف بہ ابن العطار، ابو العباس محمد بن احمد عطار بغدادی، خواجہ حسن عطار، حافظ ابو العلاء حسن بن احمد بن حسن بن محمد عطار ہمدانی وغیرہ،

عطار کے عقائد وافکار پر آقائے نفیسی نے بڑی تحقیق اور جامعیت کے ساتھ بحث کی ہے، اس بحث کا ایک مختصر خلاصہ قارئین کرام کی خدمت مین پیش کیا جاتا ہے،

مجالس المومنین کے مصنف نے جو اپنی شیعہ تراشی کے لئے مشہور ہین عطار کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، عطار کی بعض مثنویون مین سے جو حال ہی مین طہران مین طبع کی گئی ہین، تین خلفاء کے مناقب کو حذف کر دیا گیا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر دقت نظر سے عطار کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ مراحل طریقت پر ان کا پورا ایمان ہے اور دنیاوی تعلقات سے بے نیاز ہین،

یہ ان کی کامل بے نیازی اور وارستگی ہے، جو ان سے یہ کہلواتی ہے:-

کفر کافر را و دین دیندار را — ذرۂ دردت دل عطار را

منطق الطیر مین سنی اور شیعہ دونون گروہون کے تعصب کی سخت مذمت کرتے ہین، اسی طرح اسرار نامہ مین فرماتے ہین:-

دلے از اہلی پر زرق و پر مکر — گرفتار علی ماندی و بوبکر

گے این یک بود نزد تو مقبول — گہی آن یک بود از کار معزول

گر این بہتر در آن بہتر ترا چہ — کہ تو چون حلقہ ای بر در ترا چہ

ہمہ عمر اندرین محنت نشستی — ندانم تا خدا را کے پرستی

ایران مین اہل سنت نے دوازدہ امام کی نسبت کبھی تندی اور سختی نہین کی، اور ایک بین فرق جو ایران کے تسنن اور دوسرے اسلامی ممالک کے تسنن مین ہے، وہ اسی چیز مین ہے، دوسری طرف صفوی عہد سے قبل شیعیان ایران نے پہلے تین خلفاء اور صحابہ کی نسبت بدزبانی سے کام نہین لیا،

اس مین کوئی شبہ نہین کہ فروع کے معاملہ مین عطار تسنن کے طریقہ کے پابند تھے، خسرو گل کے مقدمہ مین امام اعظم ابو حنیفہ، امام محمد قرشی، اور امام اعظم شافعی کی مدح مین اشعار ہین، تمام مثنویات کے مقدمہ مین چار خلفاء کی مدح وتعریف کی گئی ہے، لیکن طہران والے ایڈیشن مین جو ۱۳۰۹ھ مین شائع کیا گیا، ان اشعار کو عمداً حذف کر دیا گیا ہے، منطق الطیر، الٰہی نامہ، اسرار نامہ، مصیبت نامہ کے چھاپ ایران مین سے پہلے تین خلفاء کی مدح کو خارج کر دیا گیا ہے، طریقت مین عطار حضرت نجم الدین کبری کے سلسلۂ کبرویہ مین منسلک تھے، بعض انھین اویسی طریقہ کا پابند بتاتے ہین، لیکن یہ درست نہین، عطار کے اشعار اور غزلیات سے یہ بات خاص طور پر ہویدا ہوتی ہے کہ انھین حسین بن منصور حلاج سے خاص عقیدت تھی، اپنے اشعار مین اس کا نام بار بار لیتے ہین، اور اس کی زندگی، اور انجام کی شرح اپنی غزلیات مین کرتے ہین، ان کی

تصانیف پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہو جاتی ہے کہ وہ بڑے محقق تھے، اور تاریخ سے انھیں پوری آگاہی تھی، اور اپنی مثنویوں میں ایران کے مشاہیر واکابر مثلاً محمود غزنوی، نظام الملک طوسی، سلطان سنجر، مسعود غزنوی، احمد بن حسن میمندی، عبداللہ بن طاہر، نصر بن احمد سامانی، نوح بن منصور، فردوسی، فخرالدین اسعد گرگانی، رودکی، رابعہ دختر کعب قزداری (ایران کی مشہور شاعرہ) اور ابوالفضل چغانی کے متعلق کچھ حکایتیں لکھی ہیں، اخلاقی اور عرفانی مطالب کے علاوہ عطار کی تصنیفات بہت سے تاریخی فوائد اور عمدہ مطالب سے پر ہیں، شیخ عطار سنائی سے متاثر نظر آتے ہیں، حالی جناب رومی، سنائی اور عطار دونوں کو اپنا پیشرو مانتے ہیں، اور ان سے استفادہ کرتے ہیں،

تصنیفات عطار | عطار کی تصانیف کے متعلق مبالغہ آمیز بیان قاضی نور اللہ شوستری کا یہ ہے کہ ان کی تعداد قرآنی سورتوں کی تعداد کے مطابق ہے یعنی ۱۱۴، رضا قلی ہدایت، ریاض العارفین میں ۴۰ پر اکتفا کرتے ہیں، لیکن مجمع الفصحا میں یہ تعداد ۱۹۰ تک پہنچ جاتی ہے، مندرجۂ ذیل نو کتابیں جن کا نام وہ خود بیان کرتے ہیں، یقیناً عطار کی ہیں :-

خسرو نامہ یا خسرو و گل، اختیار نامہ یا مختار نامہ، اسرار نامہ، مصیبت نامہ، دیوان، جواہر نامہ، شرح القلب، الٰہی نامہ، مقامات طیور یا منطق الطیر، عطار کی تمام کتابوں پر آقائے نفیسی نے بحث کی ہے، ان کے نزدیک اخوان الصفا کو عطار سے کوئی نسبت نہیں، ارشاد بیان حقیقت میں وہی مفتاح الفتوح ہے، اشتر نامہ کسی اور عطار کی تصنیف ہے، اس کے ارشاد و افکار بہت پھیکے ہیں، بلبل نامہ کے اشعار درشت ہیں، اور عطار کے طرز سے انھیں کوئی علاقہ نہیں، اس لئے احتمال ہے کہ یہ مثنوی بھی دوسرے عطار کی ہو، اس کتاب کے آخر میں شاعر اپنے چار سالہ بیٹے ضیاء الدین یوسف کو نصیحت کرتا ہے،

بیسر نامہ کے اشعار سخت رکیک اور طفلانہ ہیں، اور یہ بھی دوسرے عطار کی تصنیف ہے، ترجمۃ الاحادیث کے اشعار بھی بہت سست اور سخیف ہیں، غالباً اس کا مصنف وہی ہے، جس نے کنز الاسرار لکھی ہے، جواہر الذات

ایک طویل مثنوی تقریباً بیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے، اس میں نہایت ہی مکروہ اور ناپسندیدہ تکرار ہے، ناممکن ہے کہ اس درجہ پست مثنوی عطار کی ہو، کہیں کہیں مصنف اسرار نامۂ عطار کے اشعار نقل کرتا ہے، حلاج نامہ جسے منصور نامہ بھی کہتے ہیں وہی ہیلاج نامہ ہے، جس کا ذکر بعد میں آئے گا، یہ جواہر الذات کے مصنف کی تصنیف ہے، حیدر نامہ کا ذکر دولت شاہ سے دوسروں نے اخذ کیا ہے، معلوم نہیں کہ دولت شاہ کا کیا ماخذ ہے، کیونکہ ابھی تک اس کتاب کا سراغ نہیں ملتا، خیاط نامہ کے اشعار بھی بہت سست ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب بھی اسی شاعر کی ہوگی جس نے مظہر العجائب، لسان الغیب، اشتر نامہ، جواہر الذات، بیسر نامہ اور ہیلاج نامہ لکھا ہے، (کشف الظنون کی سند پر شیرانی صاحب خیاط نامہ کو کسی خیاط کاشانی کی تصنیف بتاتے ہیں) کنز الاسرار کا مصنف وہی شخص ہے جو ترجمۃ الاحادیث کا مالک ہے، شیرانی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ اس کا مصنف کوئی تربتی ہے، کنز الحقائق ایک جعلی کتاب ہے، جو عطار کی طرف منسوب کی گئی ہے، اس شعر میں نیکو کو نکو پڑھ کر

امیر المومنین نیکوست غازی ۔۔۔ کند با کافران شمشیر۔۔۔

آقائے نفیسی اسے امیر نکوح یا امیر نکو حک غازی بنا دیتے ہیں، جو الپ ارسلان کی جانب سے ۴۶۲ھ سے ارزنجان کا حاکم تھا، لیکن یہ قیاس بالکل نادرست ہے، شیرانی صاحب کی تحقیق کے مطابق کنز الحقائق کا مصنف پہلوان محمد بن پوریائے ولی ہے، جس نے ۷۲۲ھ میں انتقال کیا، اور خیوق خوارزم میں مدفون ہے، آقائے نفیسی کی رائے میں گل و ہرمز کے متعلق شبہہ ہے کہ وہ عطار کی تصنیف ہو، لسان الغیب ایک مثنوی ہے جس کے اشعار کی تعداد ۴۰۰۰ کے قریب ہے، آقائے نفیسی لکھتے ہیں،

"در بارۂ این شاعر مفتری کہ شیعہ اثنا عشری بودہ و شعر را بسیار سست و سخیف می گفتہ است پس ازین ہم بحث خواہم کرد"،

مظہر الصفات کا نام کسی فہرست میں نہیں ملتا، اس کا ذکر تنہا ینابیع المودۃ میں پایا جاتا ہے، آقائے نفیسی

اس کتاب کے انتساب کو درست ماننے کی طرف مائل ہین، لیکن ہمارے نزدیک ینابیع المودۃ کی سند کافی نہین، مظہر العجائب تقریبًا نو ہزار ابیات پر مشتمل ہے، اس مثنوی کے اشعار بھی لسان الغیب اور جواہر الذات وغیرہ کی طرح بہت سست ہین، اس کا مصنف بھی شیعہ ہے، اُس کے متعلق بحث بعد مین آتی ہے، [illegible] ایک مثنوی ہے جس مین تقریبًا بارہ سو اشعار ہین، دو مختلف نسخون کے خاتمہ مین تاریخ تصنیف جداگانہ دی گئی ہے، ایک مین ۵۸۹ھ اور دوسرے مین ۶۸۹ھ ہے، اس کتاب کے متعلق آقاے نفیسی کے بیانات بڑے دلچسپ اور متناقض ہین، ان کے خیال مین اگر یہ مثنوی ۵۸۹ھ مین تصنیف ہوئی ہے، تو فریدالدین عطار کی ہے، اور اگر ۶۸۹ھ مین تالیف ہوئی ہے، تو یہ عطار کی تصنیف نہین ہو سکتی، اس صورت مین یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُس شخص کی تالیف ہو، جو ترجمۃ احادیث اور کنز الاسرار کا مصنف ہے، لیکن مفتاح الفتوح کے اشعار کی طرح پھسپھسے نہین، اور عطار کے اشعار سے بہت ملتے جلتے ہین،

مطبوعہ نسخون مین آغاز کے ۱۳۳ اشعار کے بعد عطار کی بعض غزلین دی گئی ہین، بحث کے خاتمہ پر آقاے نفیسی لکھتے ہین کہ بظاہر اس کتاب کا مصنف کوئی زنجانی ہے، وصلت نامہ ایک مثنوی ہے جس کا مصنف کوئی شاعر بہلول تخلص ہے، ہفت وادی کوئی جداگانہ کتاب نہین، بلکہ منطق الطیر کا ایک حصہ ہے، جس مین طریقت کی سات وادیون کی تشریح کی گئی ہے، ہیلاج نامہ بھی ایک مثنوی ہے، جس مین تقریبًا سات ہزار اشعار ہین، اس مثنوی کے اشعار بہت سست ہین، اور ناپسندیدہ تکرار بھی بہت ہے، جواہر الذات کا مصنف ہی ہیلاج نامہ کا بھی مالک ہے،

اشعار کی سستی اور فکر و اندیشہ کی خامی و کمزوری دونون مین مشترک ہے، طرز و اسلوب کے علاوہ جو چیز ہمین عطار کی طرف اس کتاب کے انتساب کو غلط ٹھہرانے پر مجبور کرتی ہے، وہ مصنف کی حسین بن منصور حلاج کے بارے مین یاوہ گوئی، ہرزہ سرائی اور مضحکہ انگیز افسانون کی بھرمار ہے، ظاہر ہے کہ شیخ عطار کا قلم ایسی بیہودہ باتین نہین لکھ سکتا، جب کہ عطار کی حلاج سے عقیدت ظاہر ہے، اور وہ تذکرۃ الاولیا

مین بڑے دلنشین پیرایہ مین حلاج کے حالات سپرد قلم کر چکے ہین،

وہ چھیاسٹھ تصانیف جو عطار کی کہلاتی ہین، ان مین سے صرف بارہ اُن کی ہین، اور ان بارہ مین سے بھی تین ہم تک نہین پہنچین، اور وہ تین جواہر نامہ، شرح القلب اور مظہر الصفات ہین، باقی نو کتابین یہ ہین، تذکرۃ الاولیا، اسرار نامہ، الٰہی نامہ، پند نامہ، خسرو نامہ، دیوان، مختار نامہ، مصیبت نامہ اور منطق الطیر، آقاے نفیسی کا خیال ہے کہ عطار کے اشعار کی تعداد کے متعلق دولت شاہ اور دوسرے تذکرہ نگارون کے بیانات مبالغہ سے خالی نہین، عطار کے اشعار مین تصوف و عرفان و اخلاق و حکمت سے متعلق کثرت سے عمدہ معانی اور خیالات موجود ہین لیکن آقاے نفیسی نے قارئین کی توجہ ان لغوی فوائد کی طرف بھی مبذول کرائی ہے، جو عطار کے اشعار کی بدولت ہمین میسر آتے ہین، فاضل پروفیسر نے فرہنگ رشیدی، سروری و جہانگیری مین عطار کے ان اشعار کا سراغ لگایا ہے جنھین فرہنگ نگارون نے بطور شواہد نقل کیا ہے، ان شواہد کی تعداد بہتر کے قریب ہے، اور یہ تمام کے تمام اشعار عطار کی اصلی تصنیفات سے لئے گئے ہین، اور ان مثنویون مین سے نہین جو مورد شک و شبہہ ہین، آقاے نفیسی اس بات کو اپنے دعویٰ کی تائید سمجھتے ہین کہ جعلی مثنویون مین سے استشہاد کے لئے اشعار منتخب نہین کئے گئے،

نوین صدی کا جعلی عطار

گذشتہ صفحات مین پروفیسر نفیسی کی تحقیقات کا جو خلاصہ پیش کیا گیا ہے، اس سے قارئین اُن کی قابلیت اور جستجو کا اندازہ لگا سکتے ہین لیکن میری ناقص راے مین اُن کی کتاب کا معرکہ آرا حصہ وہ ہے، جس مین انھون نے اس جعلی عطار کو بے نقاب کیا ہے جس کے دام فریب مین بڑے بڑے فضلا مثلاً علامہ محمد قزوینی، مولانا شبلی مرحوم اور پروفیسر براؤن گرفتار رہے ہین، اب ہم نہایت اختصار سے آقاے نفیسی کی مفصل بحث کا ماحصل پیش کرین گے،

ہر وہ شخص جو شاعری کا تھوڑا بہت ذوق رکھتا ہو، اور جس کو فارسی زبان پر کچھ دسترس ہو جب بڑی بڑی ادبی کتابین مثلاً منطق الطیر، مصیبت نامہ، الٰہی نامہ، اسرار نامہ، پند نامہ، خسرو نامہ، مختار نامہ مین سے

ایک دو شعر پڑھے اور اس کے بعد لسان الغیب، اشترنامہ، مظہرالعجائب اور جواہرالذات کا بھی مطالعہ کر تو سب سے پہلی چیز جو اس کی چشم و عقل کو خیرہ کرتی ہے، وہ اسلوب سخن، طرز فکر و بیان، سلیقہ و ذوق و طبع معلومات و عقائد، اور عواطف و احساسات کا بین فرق ہے، جو ان کتابون کے دونون سلسلون کے درمیان نمایان ہے، اگر کوئی شخص میری طرح دلیر اور بے پروا ہو، تو اس صورت مین کہ دوسرے سلسلہ کی کتابون پر خود فریدالدین عطار نیشاپوری کے دستخط بھی ہون، وہ کہہ اٹھے گا کہ یہ بالکل محال ہے کہ ایک واحد شخص ان دونون سلسلون کا مصنف ہو، ایک نہایت ہی کمزور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ دوسرا سلسلہ شاعر کے بڑھاپے کے اضمحلال و افسردگی کی یادگار ہے، یہ دلیل بالکل غلط ہے، اس لئے کہ شاعر کا کلام عمر کے ساتھ ساتھ زیادہ پختہ، ولولہ انگیز اور دل نشین ہوتا جاتا ہے، اگر عطار اس قاعدہ کی استثنا قائم کرتے ہین، تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ایسا بھی ممکن ہے کہ بڑھاپے مین شاعر کی زبان بگڑ جائے، وہ فصیح الفاظ بھول جائے، اور اس کا تخیل اتنا پراگندہ اور بے بس ہو جائے کہ وہ لاطائل باتون کے طول دینے مین پرگوئی اور بے مغزی کی داد دے جیسا کہ لسان الغیب اور مظہرالعجائب وغیرہ مین نظر آتا ہے، کیا کسی دور اور کسی ملک مین یہ بات دیکھی گئی ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے فکر و بیان کی یہ درماندگی پیدا ہو جائے یا غلط قافیے، نادرست وزن اور بہت مکروہ حشو شاعر کے ذہن مین پیدا کرے،

اس جعل ساز، مفتری، فریب کار، اور پرگو نادان نے کہین کہین اپنی اصلیت کو بے حجاب کیا ہے، میری نظر مین یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن ہے کہ تون کے باشندون مین سے ایک شخص نوین صدی ہجری مین گذرا ہے، جو چاہتا تھا کہ شاعری مین نام پیدا کرے، وہ اپنا تخلص عطار اور لقب فریدالدین اختیار کر کے شیخ عطار کی بعض کتابون کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے، آیئے اس شخص کو اُس کی اصلی زبان مین اپنا تعارف کرانے دین،

اصلِ من از تون معمور آمدہ — مولدم شہر نشاپور آمدہ

ہست نامِ من محمد اے سعید — شد فریدالدین لقب از اہلِ دید

اس کا وطن تون اور اس کی جائے پیدائش نیشاپور ہے، کچھ مدت وہ مشہد مین بھی رہا ہے، اس کا سلسلۂ نسب حضرت ابوذر غفاری رضؓ سے جا ملتا ہے، ۵۱۳ھ مین اپنی عمر ایک سو بتاتا ہے، جس سے اسکی تاریخِ پیدائش ۴۱۳ھ ہونی چاہئے، اُس کی ناواقفیت کا یہ حال ہے کہ شاپور اور نیشاپور مین امتیاز نہین کر سکتا، اپنی دور دراز سفر کی داستان سناتا ہے، یقین ہے کہ اگر اُس نے امریکہ اور اوقیانوس کا نام سنا ہوتا، تو ان کو بھی اپنے سفر کا جزو بناتا، اس کا دعویٰ ہے کہ عہدِ طفلی مین اُس نے مشہد مقدس مین اٹھارہ سال بسر کئے ہین،

بوقتِ کودکی من ہیجدہ سال — بمشہد بودہ ام خوش وقت و خوش حال

اس شعر مین مشہد کا نام لیا گیا ہے اور یہ ایک زبردست دلیل ہے اس کے جعلی ہونے کی، نوین صدی سے پہلے ایران مین اور طوس کے ویران ہونیکے بعد یہ شہر آباد ہونا شروع ہوا،

اس مفتری کی کتابون کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اپنا روحانی مقام قائم کرنے کی خاطر ان واقعات کو جو اُس کے پہلے کے زمانہ مین ہو چکے ہین، پیشین گوئی کے طور پر پیش کرتا ہے، حافظ کی تاریخِ وفات ۷۹۱ھ اور قاسم انوار کی ۸۳۷ھ ہے، اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص حافظ و قاسم انوار کے بعد عالمِ وجود مین آیا ہے، اپنی ایک کتاب کا نام مظہرالعجائب رکھتا ہے، جو امام اول کے القاب مین سے ہے، یہ بات خود اس بات کی دلیل ہے کہ مصنف نوین صدی مین گذرا ہے، اس لئے کہ اس سے پہلے مظہرالعجائب کا لفظ فارسی زبان مین اس معنی مین نہین ملتا، اس مصنف کا زمانہ نوین صدی ہے کیونکہ لسان الغیب کا ایک نسخہ موجود ہے، جو سلطان حسین بایقرا کے وزیر نظام الملک خوافی نے سفرِ حج کے درمیان اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، اور آقائے بدیع الزمان فروزان فر کے پاس مظہرالعجائب کا ایک نسخہ ہے، جس کی تاریخِ کتابت ۹۱۲ سنہ ہجری ہے،

شیخ عطار اور اس تونی عطار کے عقائد کے درمیان بہت بڑا فرق ہے، شیخ عطار صوفی مشرب تھے، اور فروع میں امام شافعی کے پیرو تھے، دوسری طرف یہ تونی عطار حسینی مذہب اور حیدری ہے، اس تونی کو اپنی تمام تصانیف میں سے سب سے زیادہ مظہر العجائب پر ناز ہے، شیخ فرید الدین طبیب اور دوا فروش تھے، یہ تونی عطار عزلت پسند اور گوشہ گیر ہے ایک جگہ ناصر خسرو کی یمگان میں عزلت گزینی کا بھی ذکر آتا ہے، اس کو دعوی ہے کہ اس نے بائیس لاکھ اور ساٹھ اشعار لکھے ہیں، سات سو اور دس کتابیں پڑھی ہیں اس کے اشعار اس قدر طفلانہ اور پھسپھسے ہیں کہ ایک دس سال کا بچہ بھی اس سے زیادہ پختہ اور رواں شعر کہہ سکتا ہے، بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ نویں صدی کا ایک جعل ساز تون کا رہنے والا آیا جس نے کچھ وقت مشہد میں بھی گذارا ہے، اپنے آپ کو فرید الدین محمد عطار کہتا ہے اور اس نے کئی سست اور بے مغز کتابیں مثلاً اشتر نامہ، بلبل نامہ، بیسر نامہ، ترجمۃ الاحادیث اور جواہر الذات حلاج نامہ یا منصور نامہ یا ہیلاج نامہ، خیاط نامہ، سی فصل، کنز الاسرار، کنز الحقائق، گل و ہرمز، لسان الغیب، مظہر العجائب، معراج نامہ، مفتاح الفتوح اور وصلت نامہ لکھیں جن کو شیخ عطار سے کوئی نسبت نہیں،

کتاب کے آخر میں ایک تکملہ ہے، جس میں رکن الدین اکافی پر ایک نوٹ ہے، اور ایک دو مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے،

پروفیسر سعید نفیسی کی تحقیقات سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے، کہ یہ علم کا شیدائی ہر قسم کے تعصبات سے آزاد ہے، اور حق گوئی کے معاملہ میں بالکل نڈر اور بے باک ہے، وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ اس کی تحقیقات کے نتائج اس کے ہم وطنوں کی ایک بہت بڑی اکثریت کے لئے خوشگوار نہ ہوں گے، سچائی اور راستی کا یہی وہ بلند معیار ہے، جو اہل علم و تحقیق کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے،

آقائے نفیسی کے علمی کارنامے کی حقیقی قدر کرتے ہوئے ہمیں اپنے ملک کے بلند مرتبہ محقق مرحوم علامہ محمود شیرانی کو نہ بھولنا چاہئے، جنھوں نے ایرانی فاضل کی کتاب شائع ہونے سے کئی سال پہلے اسی

موضوع پر اردو داں حضرات کو اپنے نتائج تحقیق سے مستفید ہونے کا موقع دیا تھا، اور اس امتیاز کی بنا پر الفضل للمتقدم کے شرف کے مستحق ٹھہرتے ہیں،

یہاں اس حقیقت کا اظہار بیجا نہ ہوگا کہ بعض ان کتابوں سے متعلق جو عطار کی طرف منسوب کی گئی ہیں، آقائے نفیسی کا بیان مبہم اور غیر واضح ہے، سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ ان کتابوں کے حقیقی وارثوں کے بارے میں ان کے خیالات صاف اور واضح نہیں کبھی تو وہ ان سب کتابوں کو (ص ۱۶۷) مثلاً اشتر نامہ، بلبل نامہ، بیسر نامہ، ترجمۃ الاحادیث، جواہر الذات، حلاج نامہ یا منصور نامہ یا ہیلاج نامہ، خیاط نامہ، سی فصل، کنز الاسرار، کنز الحقائق، گل و ہرمز، لسان الغیب، مظہر العجائب، معراج نامہ، مفتاح الفتوح اور وصلت نامہ کو اس جعلی عطار کی ملک ٹھہراتے ہیں، جو تون کا رہنے والا تھا، اور نویں صدی میں گذرا ہے، حالانکہ دیباچہ کے صفحہ ۶۰ پر وہ تین عطار کے قائل ہیں،

اول: فرید الدین ابو حامد محمد بن ابو بکر ابراہیم بن ابو یعقوب اسحٰق بن ابراہیم عطار نیشاپوری متوفی ۶۲۷ھ جو اسرار نامہ، الٰہی نامہ، پند نامہ، خسرو نامہ، دیوان قصائد و غزلیات، مختار نامہ، مصیبت نامہ، منطق الطیر، اور تذکرۃ الاولیاء کے مصنف ہیں، اور جن کی تین کتابیں اور ہیں، مظہر الصفات، جواہر نامہ، شرح القلب، معلوم نہیں یہ کتابیں برباد ہو چکی ہیں، یا نہیں،

دوم: زین الدین محمد بن ابراہیم بن مصطفی بن شعبان عطار ہمدانی جو اہالی زنجان میں سے تھا، اور ۸۲۶ھ میں مارا گیا، وہ ترجمۃ الاحادیث، کنز الحقائق، کنز الاسرار اور مفتاح الفتوح کا مصنف ہے،

سوم: فرید الدین محمد عطار تونی مشہدی جو نویں صدی میں شہر مشہد میں رہتا تھا، اور جو اشتر نامہ، بلبل نامہ، بیسر نامہ، جواہر الذات، حلاج نامہ، یا ہیلاج نامہ یا منصور نامہ، خیاط نامہ، سی فصل، گل و ہرمز، لسان الغیب، مظہر العجائب، معراج نامہ اور وصلت نامہ کا مصنف ہے، اس سلسلہ میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ خود آقائے سعید نفیسی کا ایک دوسری جگہ یہ بیان ہے کہ وصلت نامہ کا مصنف کوئی

شاعر مجہول ہے، ترجمۃ الاحادیث اور کنزالاسرار کا مصنف ایک ہی شخص ہے، گل و ہرمز کے متعلق وہ یقینی طور پر نہین کہہ سکتے کہ یہ عطار کی تصنیف ہے، یا نہین، اور اُن کا سب سے دلچسپ بیان مفتاح الفتوح کے بارے مین ہے، جس کو وہ کبھی عطار کی ملک ٹھہراتے ہین، اور کبھی کسی زنجانی کی، اسی طرح وہ بلبل نامہ کو عطار کی تصنیف نہین مانتے، تاہم اسی کی سند پر اُن کا یہ بیان ہے کہ عطار اپنے چار سالہ بیٹے ضیاء الدین یوسف کو نصیحت کرتے ہین،

تذکرۂ نگارستانِ سخن مین لکھا ہے کہ سید فریدالدین عطاری شطاری گوالیاری جن کا انتقال ۱۲۸۵ھ مین ہوا، بھوپال کے وظیفہ خوار تھے، اُن کا سلسلۂ نسب شیخ محمد غوث گوالیاری کے واسطہ سے شیخ فریدالدین عطار سے جا ملتا ہے، اور شیخ عطار امام جعفر صادق کی اولاد مین سے ہین، اس بیان کی بنا پر آقاے سعید نفیسی لکھتے ہین کہ تیرھوین صدی کے آخر تک عطار کی اولاد ہندوستان مین موجود تھی، اور شاید اب بھی وہان موجود ہو، یہ سچ ہے کہ حضرت محمد غوث گوالیاری کی اولاد آج بھی گوالیار، احمد آباد اور بھوپال مین موجود ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ آیا حضرت گوالیاری کے جدِ امجد خواجہ فریدالدین محمد عطار اور شیخ عطار نیشاپوری ایک ہی بزرگ ہین، اس راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ حضرت گوالیری اور خواجہ عطار کے درمیان چھ واسطون کا ہونا ہے، اور وہ یہ ہین،[1]

حضرت سید محمد غوث ابن سید خطیر الدین، ابن سید عبداللطیف، ابن سید معین الدین قتال، ابن سید خطیر الدین، ابن سید بایزید پارسا، ابن خواجہ سید فریدالدین محمد عطار،

دوسری طرف شیخ کا سنہ وفات ۶۲۷ھ ہے، اور حضرت محمد غوث گوالیری کا ۹۷۰ھ یعنی ان دونون کے درمیان تین صدی کا زمانہ حائل ہے، اس لئے اس بات کا باور کرنا آسان نہین کہ حضرت محمد غوث کے جدِ اعلیٰ خواجہ فریدالدین محمد عطار اور شیخ عطار نیشاپوری واحد شخص ہون،

---

[1] اردو ترجمہ مناقب غوثیہ ص ۵،

آخر مین ہم شیرانی صاحب کے خط کا ایک اقتباس قارئین کرام کی خدمت مین پیش کرنا چاہتے ہین، ٹونک سے اپنے مکتوب مورخہ ۱۵؍اگست ۱۹۲۲ء مین شیرانی صاحب پروفیسر سعید نفیسی کی تحقیقات کے بارے مین لکھتے ہین:-

"آپ کے نفیسی صاحب نے صرف ایک شخص کو ان تمام مجہول کتابون کا ذمہ دار بنا دیا ہے، یہ صحیح نہین، یہ کئی جعلسازون کا کام ہے، کنزالحقائق غلطی کی بنا پر عطار کی طرف منسوب ہوئی ہے نہ کسی جعل کی بنا پر، پہلوان محمود خوارزمی کی تالیف ہے، گل و ہرمز اور خسرو نامہ ایک ہی چیز ہے، اور خسرو نامہ تو مرحوم عطار کی یادگار ہے، اسی طرح کنزالاسرار کسی غلطی کی بنا پر عطار کی طرف منسوب کی گئی ہے، اُس کے مصنف ترتبی ہین"

مسلمانون کی حکومت مین

غیرمسلم اقوام

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

(۳)

ذمی رعایا کا اعزاز مسلمانون کے دورِ حکومت مین صرف خشک نہین تھا؟ کہ شمس العلماء کا خطاب بھی زیادہ سے زیادہ خطاب پانے والون کو حکومت کی طرف سے ساڑھے چار آنہ روز کا مستحق بنا دیتا تھا،

آیئے اور دیکھئے، اسی جبرئیل کے بیٹے بخت یشوع طبیب کا گھر ہے، متوکل کے زمانہ مین اس نے بھی وہ سب کچھ حاصل کرلیا تھا، جو اُس کے آباؤ اجداد کو میسر آچکے تھے، بلکہ ترقی کرکے بخت یشوع تو اس منزل تک پہنچ گیا تھا کہ

كان يضاهي المتوكل في اللباس والفرش،

خلیفہ متوکل جس قسم کا لباس پہنتا تھا اور فرش و فروش استعمال کرتا تھا، وہی لباس اور فرش بخت یشوع بھی استعمال کرتا تھا،

لیکن مین کہتا ہون کہ بخت یشوع کے جس محل سرا کی سیر کی تکلیف اس وقت آپ کو دیرہا ہون شاید اس کو دیکھ کر آپ اس فیصلہ پر اپنے آپ کو مجبور پائین گے کہ مسلمانون کے خلیفہ متوکل کو بھی یہ باتین نصیب تھین یا نہین،

ابن ابی اصیبعہ نے ابوالاصبع الکاتب کے حوالہ سے اس قصہ کو نقل کیا ہے، لکھا ہو کہ ابوالاصبع کاتب بیان کرتا تھا کہ مین ایک دن بخت یشوع کے دولت خانے پر حاضر ہوا، گرمی شباب پر تھی، مین نے بخت یشوع کو ایک ایسے کمرے مین پایا، جس پر خس کی متعدد ٹٹیان چڑھی ہوئی تھین، اور اسی کمرے کے اندر قبہ مین وہ بیٹھا ہوا تھا، جس پر دیبا کے پردے پڑے ہوئے تھے، جن کو عرق گلاب، کافور، صندل سے بسایا گیا تھا، خود وہ ایک سعیدی جبہ پہنے ہوئے تھا، جس پر ایک بیش قیمت دوشالہ پڑا ہوا تھا،

راوی کا بیان ہو کہ جب مین بھی اس قبہ مین داخل ہوا جس مین بخت یشوع بیٹھا ہوا تھا، تو اچانک مین نے محسوس کیا کہ مجھے سخت سردی نے پکڑ لیا، میرے حال کو دیکھ کر بخت یشوع ہنسنے لگا، اور غلام کو آواز دی کہ مجھ پر چادر ڈال دی جائے، اور جبہ مجھے پہنا دیا جائے، پھر اس نے غلام سے کہا کہ قبہ کے سامنے جو پردہ پڑا ہوا ہے، اسے اٹھا دو، اٹھا دیا گیا، مین نے دیکھا کہ اس ایوان کے چارون طرف غلام گردش کی عمارت برف سے اَٹی ہوئی ہے، اور بہت سے غلام برف کے تودے پر مسلسل پنکھے کر رہے ہین، اور اُن کے اسی عمل سے سرد ہو ہو کر ہوا اس قبہ مین داخل ہو رہی ہے جس مین بخت یشوع بیٹھا ہوا تھا، پھر بخت یشوع نے خاصہ طلب کیا، مائدہ (خوان) چن دیا گیا، مشکل ہی سے کوئی اچھی چیز ہوگی، جو اس خوان پر نہ تھی، اسی کے ساتھ پلیٹون پر بھُنے ہوئے چوزے بھی لائے گئے، جن کے گوشت کا رنگ بالکل سُرخ تھا، پھر باورچی آیا، اور اُس نے اُن مسلّم چوزون کو توڑ کر ہم لوگون کے سامنے کردیا، وہ کچھ اس طرح پکائے گئے تھے کہ ان کا سر دھڑ دوسرے دھڑ سے بآسانی الگ ہوگیا، چوزون کے پلیٹ کی طرف اشارہ کرکے راوی کہتا ہے کہ بخت یشوع نے کہنا شروع کیا کہ

"اُن چوزون کو بادام اسپغول کا دانہ کھلایا گیا ہے، اور (پانی کی جگہ) اُن کو انار کا افشردہ عرق پلا کر پالا گیا ہے"

یہ داستان تو گرمی کے موسم کی تھی، سردیون کے موسم مین بھی ابوالاصبع کاتب بخت یشوع کے

یہان ایک دفعہ پہنچا، دیکھا کہ محل سرا کے ایک بالاخانہ پر بیٹھا ہوا ہے، جس کے سامنے ایک پر رونق ترو تازہ باغ تھا، خود اپنا اوپر دہ سمور کا کوٹ ڈالے ہوئے تھا، اور چارون طرف بھاری بھاری ریشمین پردے اور چرمی پردے پڑے ہوئے تھے، سامنے چاندی کی انگیٹھی دھری تھی، جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا، اور ایک غلام مسلسل انگیٹھی مین عود کی لکڑی کے تراشے جھونکتا جاتا تھا، جب ابوالاصبع بھی بالاخانے کے اس کمرہ مین داخل ہوا، تو خلاف دستور غیر معمولی گرمی اسے محسوس ہوئی، بخت یشوع نے کہا کہ اس سخت موسم مین اس گرمی پر تمہین تعجب ہو رہا ہوگا، پھر اُس نے پردے کو ایک طرف سے ہٹا دیا، مین نے دیکھا کہ لکڑی کے کٹ گھرون کے اندر آہنی جالدار پنجرون مین انگیٹھیان سلگ رہی ہین، جن مین دہکتے کوئلے پڑے ہوئے ہین، اور بہت سے غلام ہین جو ان ہی انگیٹھیون کو بھاتیون سے ہوا دے رہے ہین، جیسے لوہارون کی بھٹیون مین بھاتیون سے ہوا دی جاتی ہے، پھر حسب دستور بخت یشوع نے خاصہ طلب کیا، دوسرے لطیف کھانون کے ساتھ اس دفعہ بھی بٹیلیون مین مسلّم پکے ہوئے چوزے آئے مگر اب کی دیکھا کہ بجائے سُرخی کے اُن کے گوشت کا رنگ بالکل سفید ہے، راوی کا بیان ہے یہ دیکھکر مجھے تو ایسا محسوس ہوا کہ شاید پورے طور پر پکائے بھی نہین گئے ہین، طبیعت مین بے کیفی کی کیفیت پیدا ہوئی، اتنے مین باورچی آگیا، اور مسلّم چوزون کو جیسے اوس نے پہلے بھی الگ الگ کر دیا تھا، اس دفعہ بھی یہی کیا، مین نے دیکھا کہ باسانی جیسے پہلے سب الگ الگ ہوگئے تھے، اب کی بھی یہی ہوا،

موسم سرما کی رعایت سے ان چوزون کی پرورش جن خاص چیزون سے کی گئی تھی، بخت یشوع نے ان الفاظ مین اُس کو بیان کیا، کہ

"چھلے ہوئے اخروٹ ان چوزون کو کھلایا گیا ہے، اور (بجائے پانی کے) دہی ان کو پلایا گیا ہے"

یہ ہے نقشہ مسلمانون کی ذمی رعایا کی زندگی کا، جن کے متعلق پھیلا دیا گیا ہے کہ غلامی کی رسوا کُن

زندگی کے سوا ان کی قسمت مین اور کچھ نہ تھا، مین تو نہین جانتا کہ غریب متوکل کے دارالخلافہ مین بھی گرمیون اور سردیون کے موسم مین یہ ٹھاٹ ہوتا ہوگا،

اسی ابوالاصبع کاتب کا بیان ہے کہ بخت یشوع کا دستور تھا کہ امرار کے ہان بطور تحفہ کے بخور مین جلائی جانے والی چیزین تقسیم کیا کرتا تھا، مگر کس شان کے ساتھ؟ ایک صندوق مین تو بخورات ہوتے تھے، اور اسی کے ساتھ دوسرے صندوق مین کچھ کوئلے بھی بھیجے جاتے تھے، جو درخت ترنج، بید، اور انگور کی خشک بیل کی لکڑیون سے تیار کئے جاتے تھے، کوئلہ بنانے کے لئے خوشبودار درختون کی خوشبودار لکڑیون کو جلاتے تھے، تو پرانی شراب کے ساتھ عرق گلاب، مشک، کافور، عرق بید مشک کو شریک کرکے آمیزہ تیار کیا جاتا تھا، اور جلنے کے وقت مسلسل اسی آمیزہ کا عرق لکڑیون پر چھڑکا جاتا تھا، بخت یشوع کہا کرتا تھا کہ بغیر ان کوئلون کے صرف بخور کی تقسیم مجھے پسند نہین کیونکہ معمولی کوئلہ استعمال کرکے بخور کی قیمت بھی ضائع ہو جاتی ہے، (جلد ا ص ۱۴۵، طبقات)

بہرحال اس داستان کو مین کتنا طول دون، کہنا یہی ہے کہ کوئلے جیسی معمولی چیز کی تیاری مین ان غیر معمولی تکلفات، اور نزاکت آرائیون سے کام لیتے تھے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دولت و ثروت عیش و عشرت مین ان کا کیا مقام ہوگا،

حقیقت تو یہ ہے کہ اس قسم کی تاریخی شہادتون کے بعد کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی ہے کہ ان لوگون کے روایات مین شک کیا جائے، جن مین اُن غیر مسلم اطبار کی آمدنیون کے غیر معمولی اعداد و شمار کا تذکرہ کیا گیا ہے، مثلاً قیفتون ترجمان کے حوالہ سے طبقات الاطبار مین جبرئیل بن بخت یشوع کی آمدنی کے سیاہہ کی جو نقل پائی جاتی ہے، لکھا ہے کہ جبرئیل کے گھر سے یہ سیاہہ برآمد ہوا تھا، اور اس پر اُس کے دستخط ثبت تھے،

جبرئیل نے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہارون الرشید اور مامون الرشید عباسیون کے

ان دونون نامور خلفا کی خدمت کا شرف اس کو حاصل ہوا ہے، ہارون الرشید کے زمانہ مین جو آمدنی اُس کو ہوئی تھی، فقط اسی کی تفصیل اس سیاہہ مین درج تھی، لکھا تھا کہ ۲۳ سال ہارون کی خدمت مین رہنے کا موقع مجھے ملا؛

اس عرصہ مین مختلف مدون سے جو آمدنی جبرئیل کو ہوئی، اس کی تفصیل سیاہہ مین یہ تھی،

مد	رقم
عام تنخواہ	دو ملین ساٹھ ہزار چھ سو درم
انعام	ایک ملین اسّی ہزار تین سو درم
نوروز کا انعام	ایک ملین پچاس ہزار ایک سو درم
لباس کے لئے	ایک ملین پچاس ہزار ایک سو درم
کرسمس کی عیدی	ایک ملین پچاس ہزار سو درم،
شعانین کی عیدی مین خلعت کی قیمت،	دو ملین تیس ہزار درم،
عید الفطر کی عیدی	ایک ملین پچاس ہزار ایک سو درم
فصد جو سال مین دو دفعہ ہارون لیا کرتا تھا، اس کا انعام،	دو ملین تیس ہزار درم
جلاب بھی دو سال مین دو دفعہ خلیفہ لیتا تھا اس کا انعام،	دو ملین تیس ہزار

اس کے سوا بھی بارگاہِ خلافت کے دوسرے وابستون سے جو رقوم ۲۳ سال کی ہارونی حکومت کے دور مین جبرئیل کی جیب مین پہونچے، ان کی تعداد اسی سیاہہ کے روسے (۹) ملین دو لاکھ درم ہے، علاوہ اس کے خاندانِ برامکہ سے جو رقمین اُس کو ملین، ان کی تعداد بیس ملین چار لاکھ درم تھی، نیز خود

اس کی جائداد اور اراضی جو جند سابور ہوتس، بصرہ، سواد وغیرہ مین تھی، ہارون کے زمانے تک اُن کی آمدنی کی میزان اٹھارہ ملین چار لاکھ درم ہوتی ہے، اور قصہ ان ہی رقوم تک محدود نہ تھا، لکھا ہے کہ یہ جو کچھ بیان ہوا

سوی الصّلات بجسام فانّھا لم — (خلافت و وزارت و امارت کے اقتدار

تذکر فی ھذا المدرج — رکھنے والون کی طرف سے) بیش قرار انعام

(طبقات ص ۱۳۰) — واکرام کے رقوم کا ذکر اس سیاہہ مین نہین کیا گیا ہے

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس کی شخصی آمدنی کا یہ پیمانہ ہو، میرے لئے جس کا سمجھنا اور روپیہ کی شکل مین لا کر اُس کی مجموعی تعداد کا بتانا دشوار ہے، اُس کے مصارف کا کیا حال ہوگا، جبرئیل نے مرنے کے وقت اپنی ساری دولت اپنے لڑکے بخت یشوع کے نام وصیت کی، اور خلیفہ مامون الرشید کو وصی بنایا تھا، لکھا ہے کہ

فسلّمھا الیہِ ولم یعترض فی — مامون نے حسب وصیت ساری دولت

شی منھا، — جبرئیل کی بخت یشوع تک پہنچا دی، اور

(صفحہ ۱۳۷) — کسی چیز سے اُس نے تعرض نہین کیا،

بخت یشوع کی زندگی کے نقشہ کی ایک جھلک گذر چکی، گرمیون مین سردیون کی کیفیت اور سردی کے موسم مین موسم گرما کا ماحول اپنے محل سرا مین وہ جس طریقہ سے پیدا کرتا تھا یا اُس کے چوزون کو جو خوراک دی جاتی تھی یہ سب موروثی دولت کی گرمی کا نتیجہ تھا، ایک موقعہ پر اسی کتاب مین اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ بخت یشوع کو پرندون کے پالنے کا بہت شوق تھا، اسی شوق کے تحت لکھا ہے کہ

کان فی دارہ طیرٌ من الطیطویات — اس کے محل مین طوطی اور حصانیات

والحصانیات والبیضانیات وما — وبیضانیات اور اسی طرح کے بہت سے

یجری مجراھا، (صفحہ ۱۴۳) — پرندے تھے،

واللہ اعلم صانیات اور بیضانیات اس زمانہ مین کس قسم کے پرندون کو کہتے تھے،

متوکل کے زمانہ مین بخت یشوع کی دولت اور اُس کے گھر کے ساز و سامان کا جائزہ لیا گیا تھا، لکھا ہے کہ اُس کے توشک خانہ سے جو کپڑے برآمد ہوئے تھے، ان مین

"دیبا کی ان شلوارون کی تعداد جو سینیزی سراویل کہلاتے تھے، چار ہزار تھی، ہر شلوار مین آرمینیہ کے بنے ہوئے ریشمین ازار بند پڑے ہوئے تھے" (ص ۱۴۱)

اُس کے باورچی خانہ سے لکڑیان اور کوئلے وغیرہ جو نکلے، اُن کی قیمت ہزار ہا اشرفیون سے لگائی گئی، یہ صحیح ہے کہ عیسائی طبیبون کے اس خاص خاندان کو عباسیون کے عہد مین جو غیر معمولی منافع پہنچے، اُن پر ہم دوسرے غیر مسلم اطبا کی آمدنیون کو قیاس نہین کر سکتے، مین نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ عباسیون کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور کے زمانہ مین جورجس جو اس خاندان کا مورث اعلیٰ تھا، بلایا گیا، یعنی دوسری صدی ہجری کے نصف اول مین عباسی خلافت سے جورجس کا تعلق پیدا ہوا، اس کے بعد مسلسل اس خاندان مین ایک کے بعد ایک پانچوین صدی کا نصف ختم ہو رہا تھا، اس وقت تک کسی نہ کسی شخصیت کو ہم مسلمانون کے ممالک مین نمایان حیثیت کا مالک دیکھتے ہین، آخری طبیب اس عیسائی خاندان کا ابو سعید عبید اللہ تھا، وفات اس کی ۴۵۰ھ کے قریب قریب کسی سال مین ہوئی، نام اس کا اگرچہ بظاہر مسلمانون کا سا معلوم ہوتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اپنی عیسائیت کو اس خاندان نے آخر وقت تک باقی رکھا، اسی آخری آدمی ابو سعید عبید اللہ کے متعلق بھی طبقات مین لکھا ہے کہ

كان جيد المعرفة بعلوم النصارى ومذاهبهم (ج ۱ ص ۱۴۷)

عیسائیون کے علم اور ان کے مذاہب کے متعلق اس کی واقفیت بہت اچھی ہے،

جس سے معلوم ہوا کہ صرف عیسائی نہ تھا، بلکہ عیسائی مذہب کا ممتاز عالم بھی یہ ابو سعید عبید اللہ تھا، اس کا پورا نسب نامہ یہ درج کیا جاتا ہے، یعنی عبید اللہ بن جبرئیل بن عبید اللہ بن بخت یشوع بن جبرئیل

ابن بخت یشوع بن جورجس، گویا ذمیون کا یہ خاندان اپنے عباسی سرپرستون کے اقتدار و اختیار کے آخری ایام تک عزت و ثروت کی زندگی مسلسل گذارتا ہوا رہا، بلکہ بغداد کی خلافت جب صرف لفظی خلافت سے زیادہ باقی نہ رہی، تو دوسرے سربرآوردہ مسلمان خاندانون نے اس کی کوشش کی، کہ ذمیون کا یہ گھرانا اپنے موروثی وقار کو باقی رکھے، جس کی تفصیل کی گنجائش اس مختصر مقالہ مین اب نظر نہین آتی،

کچھ بھی ہو، جورجس کے خاندان کی خصوصیتون کا مجھے انکار نہین ہے، مگر آپ اب تک جو کچھ پڑھ چکے ہین، کیا وہی معلومات اس کے لئے کافی نہین ہین کہ غیر مسلم یا ذمی اقوام کے جن طبیبون کو مسلمانون کی حکومت مین عیش و آرام عزت و احترام کے ساتھ زندگی گذارنے کے وسیع مواقع حاصل ہوئے، وہ یقیناً اسی خاندان کی حد تک محدود نہ تھے، اس سلسلے مین قبل اس کے کہ مین کچھ اور عرض کرون، بار بار دل مین ایک خیال جو آ رہا ہے، جی چاہتا ہے کہ اس کی طرف کچھ اشارہ کر دیا جائے، ممکن ہے کہ دوسرون کو بھی وہی خیال کچھ ستا رہا ہو،

مطلب یہ ہے کہ مروانی و عباسی دونون حکومتون کے عہد مین صرف ان ذمیون کے ساتھ جو طبابت اور علاج معالجہ کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھے، اُن کے ساتھ مسلمانون کی حکومت اور مسلمانون کے برتاؤ کا سرسری تماشا تاریخی شہادتون کی روشنی مین آپ کر چکے، اور مین عرض کر چکا ہون کہ اس طرز عمل کی حوصلہ افزائی عہد نبوت اور خلافت راشدہ کے ان روایات سے ہو رہی تھی، جو غیر مسلم اطباء کے متعلق مسلمانون مین منتقل ہوتے چلے آ رہے تھے، اور مین یہ بھی دیکھتا ہون کہ مسلمان حکمرانون پر تنقید کرنے والون کا ایک طبقہ ہر زمانہ مین پایا گیا ہے، محدثین فقہا، صوفیہ اور اسی قسم کے مذہبی نمائندون مین ایسے نڈر افراد مروانیون کے دور مین اور عباسیون کے زمانہ مین بھی ہمین مسلسل اسلامی تاریخ مین ملتے ہین، جو کسی چیز کی پروا کئے بغیر بڑے سے بڑے باجبروت سلاطین اور خلفاء یا اُن کے ولاۃ و امراء کو بے جھجک ڈانٹ دیتے تھے، لیکن یہ عجیب بات ہو کہ ذمیون کے متعلق بجائے کسی زجر و توبیخ

کے عوض اسی قسم کی چیزیں ملتی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت و حمایت ہی کا وعظ لوگوں کو سنایا جا رہا ہے، یہی ہارون الرشید ہے، جس کے دربار کے ذمی طبیب جبرئیل کے متعلق آپ سن چکے کہ اُس نے یہ اعلان کر رکھا تھا کہ جس کی جو ضرورت ہو، وہ جبرئیل کے توسط سے میرے سامنے پیش کرے، اور مامون الرشید تو اس کو اپنے پدر مہربان ہی کا رتبہ بخشتے ہوئے تھا، لیکن باایں ہمہ قاضی ابو یوسف کو ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی کتاب الخراج میں ہارون الرشید کو نصیحت کرتے ہیں، تو یہ کرتے ہیں اُن کے بجنسہٖ الفاظ یہ ہیں،

یا امیر المؤمنین ایدک اللہ ان تتقدم فی الرفق باهل ذمة نبیک وابن عمک محمد صلی اللہ علیہ وسلم والتفقد لهم حتی لا یظلموا ولا یوذوا ولا یکلفوا فوق طاقتهم ولا یوخذ شیئ من اموالهم الا بحق یجب علیهم (صفحہ ۱۲۵)	امیر المومنین خدا آپ کی مدد کرے آپ نے مہربانی کرنے میں اُن لوگوں کی طرف پیش قدمی فرمائی جن کی ذمہ داری آپ کے پیغمبر اور آپ کے چچا کے بیٹے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لی ہو، چاہیئے کہ ان کی خبرگیری میں سرگرمی دکھایئے تاکہ ظلم سے بھی وہ محفوظ رہیں، اور کوئی اُن کو دکھ بھی پہنچا سکے اور برداشت سے زیادہ اُن پر کوئی بار نہ ڈالے، اور اُن کے مال سے غیر قانونی طور پر لینے کی کوئی جرأت نہ کرے

پھر ہارون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث قاضی ابو یوسف نے یاد دلائی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جن سے ذمہ داری کا عہد قائم ہو چکا (ان ذمیوں) پر جو ظلم کرے گا، یا برداشت سے زیادہ ان پر بار ڈالے گا، میں قیامت کے دن اس کا فریق مخالف (حجیج) بنوں گا،

انھوں نے اسی کے ساتھ ہارون کو عمر فاروقؓ کی آخری وصیت وفات کے وقت جو کی تھی، وہ بھی یاد دلائی ہے، یعنی

ذمی رعایا کے ساتھ جو معاہدہ کیا جائے اُسے پورا کیا جائے، اور اُن پر کوئی قوم اگر حملہ کرے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ اُن کو بچانے کے لئے حملہ کرنے والوں سے جنگ کریں، اور برداشت سے زیادہ بار اُن پر نہ ڈالا جائے۔

اس آخری وصیت کو ادا کرتے ہوئے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ ان ذمیوں کی ذمہ داری خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لی ہے، اس لئے ہر اس شخص کو جو میرے بعد میرا جانشین ہو میں وصیت کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کو پورا کرے،

قاضی ابو یوسف نے دوسرے بزرگوں کے اقوال و اعمال کا بھی اس موقعہ پر ذکر کیا ہے جن میں ذمیوں کے حقوق کی نزاکت کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی ہے،

بہرحال اس وقت ان حقوق کی تفصیل میرے سامنے نہیں ہے، جو اسلام میں رعایا کے اس طبقہ کو دیئے گئے ہیں، معارف ہی میں ایک مستقل مقالہ اس عنوان پر خاکسار ہی کا لکھا ہوا پہلے شائع بھی ہو چکا ہے، بلکہ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ہارون جو ذمی اطبا کے ساتھ وہ سب کچھ کر رہا تھا، جس کی داستان آپ سن چکے، تو اس سے چشم پوشی اختیار کر کے ان ہی ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی طرف ہارون کو وہ کیوں للکار رہے ہیں، اور وہی کیا، جہاں تک اسلامیات اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ فقیر نے کیا ہے، باوجود تلاش کے آج تک کوئی چیز ایسی نہیں ملی، جس سے معلوم ہوتا ہو کہ حکمرانوں پر تنقید کے سلسلہ میں کبھی اس پر بھی کسی نے اعتراض کیا ہو، جو ان ذمی اطبا کے ساتھ مسلمانوں کے راعی اور رعایا دونوں طبقوں کے لوگ قائم کیئے ہوئے تھے، اور مسلسل ان تعلقات کو جاری رکھتے ہوئے چلے آرہے تھے، زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں کوئی بات اگر ملی ہو تو دوسری صدی کے امام، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ

جس کا ذکر آغاز مضمون میں آیا تھا، یعنی مسلمانوں سے امام کو شکایت تھی کہ علم کا ایک تہائی حصہ انہوں نے غیر مسلم اقوام کے سپرد کر رکھا ہے، لیکن جیسا کہ ظاہر ہے کہ اس تنقید کی نوعیت بھی مذہبی تنقید کی نہیں ہے بلکہ اپنے ایک ملی احساس کا اظہار امام نے فرمایا ہے، ایک کمال سے اپنی قوم کو وہ خالی پا رہے تھے، چاہتے تھے کہ اس کمال میں وہ بھی حصہ لیں، حالانکہ مسلمانوں کے اس طرزِ عمل میں مذہبی مطالبہ سے لاپروائی کا کوئی شائبہ بھی پایا جاتا، تو یقیناً امام جیسی صاف گو جری شخصیت اغماض اور چشم پوشی سے قطعاً کام نہ لیتی،

اول سے آخر تک ذمی اطبا کے مذکورہ تعلقات بڑا کابر اسلام کی اس طویل خاموشی یا سکوتی اجماع، بلکہ برعکس اُس کے ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت اور حفاظت پر بزرگوں کا اصرار اور مبالغہ اسکو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فقہ کے بعض جزئیات کا خیال آتا ہے، جو ہماری کتابوں میں پائے جاتے ہیں مثلاً لباس، وضع قطع، الغرض ایسی چیزیں جن کی تعبیر اس زمانہ میں قومی کلچر سے لوگ کرتے ہیں، اُن کے متعلق فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ہر قوم کو حکم دیا جائے کہ اپنے قومی یا کلچری خصوصیات کو ترک کر کے مسلمانوں کا کلچر یا وضع قطع اختیار نہ کریں، ہم اس مسئلہ کو فقہ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں، اور ابھی کچھ دیر پہلے آپ مجھ ہی سے سُن چکے کہ اور تو اور متوکل جیسے خلیفہ کے دربار میں بخت یشوع اسی لباس میں داخل ہوتا تھا، جو متوکل کا لباس تھا، اور متوکل کی مجلس کی آرایش فرش و فروش کے جن سامانوں سے کی جاتی تھی، اسی قسم کی چیزوں سے بخت یشوع کا نگار خانہ بھی سجایا جاتا تھا، متوکل کے دینی تصلب یا کم از کم اس پر بجائے عقلیت پسند معتزلہ کے اہلِ السنت والجماعۃ کے علماء کا جو اثر تھا، اُس سے جو واقف ہیں، وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہر قوم کی قومی خصوصیتوں کی بقا کی کوشش کا فقہ کی کتابوں میں جو تذکرہ کیا جاتا ہے، اگر اس میں کچھ بھی دینی اہمیت ہوتی، تو بخت یشوع میں اولاً اسکی جرأت ہی پیدا نہ ہوتی کہ اپنے قومی لباس کو ترک کر کے وہ مسلمانوں کے خلیفہ کا بانا اختیار کرتا، نیز متوکل مانتا یا نہ مانتا، لیکن اہل السنت والجماعۃ کے جن علماء کے زیر اثر متوکل تھا،

کم از کم وہ بخت یشوع کی اس غیر قانونی جسارت پر ضرور توجہ دلاتے، میرے علم میں ایسی کوئی شہادت نہیں ہے، حالانکہ متوکل جن بزرگوں کے مشوروں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا تھا، ان میں امام احمد بن حنبل جیسے حق گو علما بھی تھے،

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فقہ کے جن جزئیات کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں نہ قرآن کی کسی آیت سے وہ پیدا ہوئے ہیں، اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو ہم اُن کی بنیاد بنا سکتے ہیں، بلکہ اربابِ ذمہ یا ذمی رعایا کے متعلق حدیثوں کا جو ذخیرہ پایا جاتا ہے، ان میں برعکس اس کے ذمیوں کے حقوق کی نزاکتوں ہی پر زیادہ اصرار پایا جاتا ہے، لباس، وضع و قطع، سواری، راہ روی وغیرہ کے سلسلے کے فقہی جزئیات کی تو بو بھی ان روایتوں میں نہیں پائی جاتی، حالانکہ اگر وہ واقعی اسلامی مطالبات ہوتے تو قرآن نہ سہی پیغمبر تو اُن کی طرف کچھ اشارہ فرماتے، آپ کے کتنے خطوط آج بھی پائے جاتے ہیں، جن میں ذمیوں کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن کسی خط میں مجھے ایک حرف بھی نہیں ملتا، جس سے ان جزئیات کی ہلکی سی بھی تائید نکلتی ہو، نجران، ہجر، بحرین کے عیسائی اور مجوسی رعایا کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علاقوں کے حکمرانوں کو لکھا ہے، لیکن نہ ان ہی میں اور خیبر کے یہود سے جو معاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہ اُس میں ان باتوں کا ذکر ملتا ہے،

بہرحال الکتاب والسنۃ جو اسلامی قوانین کے حقیقی سرچشمے ہیں، نہ صراحۃً ان جزئیات کو اہم ان میں پاتے ہیں، اور نہ قیاسی نتائج کے لئے کوئی بنیاد ان میں ملتی ہے، ہاں یہ صحیح ہے کہ عہدِ نبوت کے بعد فتوحات کا دائرہ مسلمانوں کے جب بڑھا، اور مختلف علاقوں میں مختلف قوموں نے مختلف طرزِ عمل اُن کے ساتھ اختیار کئے، تو اس وقت خاص خاص علاقوں یا جتھوں سے کچھ معاہدے ضرور ہوئے، بعض معاہدوں میں معاہدہ کرنے والوں کے خاص حالات کے لحاظ سے اُن پر کچھ ذمہ داریاں ضرور عائد کی گئی ہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ یزید بن المہلب مروانی سپہ سالار نے جب طبرستان کو فتح کیا، تو طبرستان والوں نے یزید

اور یزید کی فوج کو چونکہ کافی اذیت پہنچائی تھی، عہد و پیمان کرکر کے موقع پاتے ہی مکر جاتے، اور مسلمانون کو ستاتے، آخر جب پورے طور پر وہ قابو مین آگئے، اور فاتح و مفتوح کے درمیان "معاہدہ نامہ" جو مرتب ہوا اس مین منجملہ عام باتون کے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ -

"ہر سال طبرستان کے چار سو آدمی مسلمانون کے سامنے آئین گے کہ ان چار سو طبرستانیون مین سے ہر ایک کے سر پر ایک ڈھال، چاندی کا ایک جام، اور حریر کے غلاف کا ایک تکیہ ہوگا"

(کتاب البلدان از ابن الفقیہ الہمدانی ص ۳۰۰ مطبوعہ یورپ)

بتایا جائے کہ معاہدہ کے اسی مسودہ کو پیش نظر رکھ کر کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مسلمان جس قوم پر غالب آئین، ضرور ہے کہ ہر سال اس قوم کے چار سو آدمی سر پر ڈھال، جام نقرئی، اور زرین تکیہ لئے ہوئے سلام کو حاضر ہون،

پس عہد نبوت کے بعد فتوحات کے سلسلہ مین کسی خاص علاقہ کے باشندون پر اُن کے خاص حالات کے لحاظ سے فوج کے سردارون نے ایسی ذمہ داریان اگر عائد بھی کی ہون، جن کا ذکر نہ الکتاب قرآن مین ہو، نہ اُن کا پتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثون مین چلتا ہے، تو اُن کو مسلمان حکمرانون نے بجائے عام قاعدے کے ایک مقامی اور وقتی بات خیال کرلیا ہو، اور اس عہد کے صادق و مخلص علماء و صلحاء کے سکوتی اجماع کی تہ مین بھی یہی راز پوشیدہ ہو، تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیئے،

خلاصہ یہ ہے کہ عہد نبوت کے بعض مقامی معاہدون کے مسودون کی تاریخی صحت کو اگر مان بھی لیا جائے تو خود مسلمانون کے اس طرز عمل سے بھی سمجھ مین آتا ہے کہ انھون نے خالص دین اسلام کا مطالبہ اس کو کبھی نہین سمجھا، بلکہ ایک وقتی مقامی بات تھی، جو اپنے وقت اور مقام ہی کی حد تک محدود رہی،

مگر کتنی عجیب بات ہے کہ عہد نبوت سے ذمی اطبا کے ساتھ مسلمانون کے خواص و عوام کے مذکورہ بالا تعلقات کو لوگ کتابون مین پڑھتے ہین، اُن کا ذکر بھی مختلف حیثیتون سے تحریراً و تقریراً کرتے رہتے ہین،

لیکن جب ذمیون کا تذکرہ کہین آجاتا ہے تو صدیون کے ان مسلسل روایات کو وہ بھول جاتے ہین، یا بھول جانے کی کوشش کرتے ہین، اور حافظہ کی سطح پر فقہ کی وہی چند گنے چُنے جزئیات بعیدہ تیرنے لگتے ہین، جن کی بنیاد نہ مسلمانون کے الکتاب مین پائی جاتی ہے، اور نہ السنۃ مین، اور یہی فقہی جزئیات جن کو کسی زمانہ مین نہ مسلمانون کی کسی حکومت نے عمل کیا، اور نہ ان پر عمل کرنے کی طرف اسلام کے ائمہ و علماء نے کبھی توجہ دلائی، نہ خود مسلمانون کی طرف سے ان پر عمل کرنے کا مطالبہ کیا گیا، وہی حافظے کی سطح سے زبانون اور قلم کی نوکون پر پہنچ کر طوفان کی شکل مین ہوا اور کاغذ پر پھیل جاتے ہین،

خدمتِ حدیث مین خواتین

کا حصّہ

از جناب مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۳)

علم حدیث کی خدمت کے لحاظ سے آٹھوین اور نوین صدی کو بڑی اہمیت حاصل ہی، روایت حدیث کے علاوہ فنِ رجال" جو علم حدیث کی بنیاد ہے، اس کا منتشر ذخیرہ انہی صدیون مین مدوّن ہوا، حدیث کی متعدد کتابین اور اسکی شرحین لکھی گئین، تذکرہ وتراجم کی متعدد اہم کتابین انہی صدیون مین تصنیف ہوئین، امام ذہبیؒ حافظ ابن حجرؒ، امام سخاویؒ، امام سیوطیؒ، ابن جوزیؒ، ابن رجبؒ، ابن حجر مکیؒ، زین الدین العراقی، ابوبکر ہیثمی، سرآمدِ روزگار علما، وفضلا، انہی صدیون مین پیدا ہوئے، خواتین نے بھی ان دو صدیون مین علم وفن کی خدمت مین جتنا حصہ لیا اسکی مثال عہد تابعین کے بعد نہین ملتی، ان خواتین کی تعداد کئی سو تک پہنچتی ہے، زینب بنت مکی، زینب بنت شکر، زینب بنتِ سلیمان ست الوزرا، ست الفقہاء، عائشہ بنت الہادی، اُمّ ہانی جویریہ وغیرہ انہی صدیون کی شذرات الذہب مین، صرف حافظ ابن حجر نے سو سے زائد محدثات کا ذکر کیا ہے، حافظ سخاوی نے الضوء اللامع مین ۱۰۷۵ خواتین کا تذکرہ کیا ہے، جن مین نصف سے زیادہ علم حدیث سے ذوق رکھنے والی خواتین ہین، اور جن بزرگون کا ذکر ہوا ہے، ان مین سے ہر ایک کے شیوخ وتلامذہ مین مردون کے ساتھ بیشمار عورتون کے نام بھی ملتے ہین، صرف ابن فہد نے ۱۳۰ محدثات سے کسبِ حدیث کیا تھا[۱]، اسی طرح حافظ ابن حجر، امام سخاوی زین الدین العراقی وغیرہ کے شیوخ وتلامذہ مین سینکڑون

---

[۱] درر کامنہ جلد ۲ ص ۱۳۰ وشذرات الذہب جلد ۶ ص ۴۰،

عورتین ہین، ان مین سے بعض کا تذکرہ آگے آئے گا،

ان تمام خواتین کا تذکرہ دشوار ہے، اس لئے صرف مشاہیر محدثات کی خدمتِ حدیث کی تفصیل بیان کیجاتی ہے، آٹھوین صدی کی مشہور محدثات یہ ہین،

ست الوزراء، اس صدی کی سب سے مشہور خاتون ہین، انھون نے علم حدیث مین اپنے والد قاضی شمس الدین اور اس صدی کے بیشتر مشاہیر سے استفادہ کیا، اور اس مین مہارت بہم پہنچائی، اُن کے درسِ حدیث کا اس قدر چرچا تھا کہ لوگ ابو العباس بن شحنہ، ابن الفخر اور الحجار وغیرہ کے ساتھ ساتھ اُن سے استفادہ حدیث کے لئے آتے تھے، اُن سے استفادہ کرنے والون کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس صدی کے پچاس سے زائد مشاہیر علما، نے اُن سے روایت کی ہے، حافظ ابن حجر کے شیوخ مین متعدد اصحاب مین جنھون نے اُن سے استفادہ کیا ہے، اُن سے حدیث کی اجازت لینے کو لوگ فخر سمجھتے تھے، صحیح بخاری اور مسند الشافعی کا درس وہ خاص طور سے دیتی تھین، انھون نے دمشق، اور مصر مین متعدد بار ان کتابون کا درس دیا تھا، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ سماع کے ذریعہ مسند کی یہ آخری راویہ تھین[۱]، امام سخاوی نے ایک جگہ ضمناً لکھا ہے کہ **ست الوزراء** ابو عبد اللہ الزبیدی سے اپنے زمانہ مین آخری راویہ تھین[۲]، علم وفضل کے ساتھ نہایت صالحہ بھی تھین، دو بار حج کیا تھا، ۶۲۴ھ مین غالباً دمشق مین پیدا ہوئین، اور ۷۱۶ھ مین وفات پائی[۳]،

اسی نام کی ایک اور خاتون بھی ہین، اُن کو بھی فنِ حدیث سے قدرے لگاؤ تھا، مگر اُن کا اصلی رجحان علم وفن سے زیادہ زہد وتقویٰ کی طرف تھا، اور وہ اسی حیثیت سے زیادہ مشہور ہین[۴]،

زینب بنت کمال اس صدی کی دوسری مشہور محدثہ ہین، بغداد، قاہرہ، اسکندریہ، حرّان، اور شام کے مشہور محدثین سے انھون نے اکتسابِ فیض کیا، جن مین احمد بن عبد الدائم، محمد بن عیسیٰ بن سلامہ،

---

[۱] درر کامنہ جلد ۲ ص ۱۲۰ وشذرات الذہب جلد ۶ ص ۴۰ [۲] الضوء اللامع جلد ۱۰ ص ۱ [۳] درر کامنہ جلد ۲ ص ۱۲۵ [۴] ایضاً

ابو علی البکری، زکی المنذری وغیرہ شامل ہیں، امام ذہبی نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ "یہ ایک اونٹ کے
بوجھ کے برابر احادیث کی روایت و اجازت میں منفرد تھیں"، اُن کے درس کا اس قدر شہرہ تھا کہ طلبہ کا ہجوم
لگا رہتا تھا، دررِ کامنہ میں ہے،

تزاحم علیھا الطلبۃ و قرؤا علیھا الکتب الکبار، (جلد ۲ ص ۱۱۰)

ان پر طلبہ ٹوٹتے تھے، اور ان سے وہ بڑی اہم کتابیں پڑھتے تھے،

بسا اوقات دن کے بیشتر حصہ میں لوگ اُن سے روایت و سماع کرتے رہتے تھے اور وہ نہایت
صبر و تحمل سے اُن کی تشنگیِ علم بجھاتی رہتی تھیں،

دررِ کامنہ میں ہے کہ اُن کی موت سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر حدیث سے لوگ محروم ہو گئے،
حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ سبط السلفی اور اُن کے معاصرین سے یہ آخری راویہ تھیں،[1]

وہ ۷۰۶ھ میں پیدا ہوئی تھیں، بچپن ہی سے آشوبِ چشم کی شکایت تھی، ۸۰۰ھ میں وفات
پائی یعنی ۹۴ برس کی عمر میں زندگی بسر کی، اخلاق و عادات اور زہد و تقویٰ میں اپنے زمانہ کی رابعہ
بصریہ تھیں، امام ذہبی کا بیان ہے،

کانت دینۃ خیرۃ ...... وکانت لطیفۃ الاخلاق طویلۃ الروح[2]

نہایت دیندار نیک کردار خوش اخلاق اور زندہ دل، قانع، عفیف، پاک نفس اور

کانت قانعۃ متعففۃ کریمۃ النفس طیبۃ الاخلاق[3]

پاکیزہ اخلاق تھیں،

اُن کی ایک چچا زاد بہن اسماء تھیں، انھوں نے بھی حدیث کی روایت اور سماع میں
حصہ لیا ہے،[4]

---

[1] دررِ کامنہ ج ۲ ص ۱۱۰، [2] ایضاً [3] ایضاً ج ۱ ص ۳۶۱،

اسماء بنت مصری، یہ قاضی نجم الدین ابن مصری کی بہن تھیں، انھوں نے اپنے نانا مکی بن علان
سے بغیۃ المستفید کے بعض حصے، اور اسحاق بن راہویہ کی احادیث کا سماع کیا تھا،[1] برزالی کا خیال ہے کہ
محدثین کو اُن کی مرویات اُن کے علاوہ کسی اور کے ذریعہ نہیں پہونچیں، حافظ ابن حجر برزالی کے اس خیال
پر استدراک کرتے ہوے لکھتے ہیں، کہ شیخ برہان الدین اور ابو بکر بن العز الفرضی وغیرہ نے بھی ہم کو اُن کی
روایتیں سماع کرائی ہیں وہ تقریباً پچاس برس تک حدیث کا درس دیتی رہیں، اور موت سے
چار روز پہلے تک یہ سلسلہ جاری رہا، ابن عماد لکھتے ہیں،

کانت مسندۃ، یہ محدثہ تھیں،

علم و فضل کے ساتھ زہد و تقویٰ کے زیور سے بھی آراستہ تھیں، دررِ کامنہ میں ہے کہ وہ صالحہ تھیں
اور قرآن کی تلاوت سے انھیں خاص شغف تھا، (ج ۱ ص ۳۶۰)

شذرات الذہب میں ہے،

ذات صدقات وفضل وحجت مراراً، (ج ۶ ص ۱۰۵)

صاحبِ فضل تھیں اور کثرت سے صدقہ کرتی رہتی تھیں، کئی بار حج کیا تھا،

۶۳۸ھ میں پیدا ہوئیں، اور ۹۵ برس کی عمر میں ۷۳۳ھ میں وفات پائی،
ابو المحاسن حسینی نے ذیل طبقات الحفاظ میں ان کا تذکرہ کیا ہے،[2]

اسماء بنت یعقوب، ان کا شمار بھی اس صدی کے محدثات میں ہے، ان کے والد شرف الدین
یعقوب ممتاز محدثین میں تھے، اسماء نے اُنہی سے حدیث پڑھی تھی، انھوں نے عز الفرضی سے بھی روایت
سماع کیا ہے،[3]

---

[1] اسحاق ابنِ راہویہ نے احادیث کا ایک مجموعہ چھوڑا تھا، جو اس وقت ناپید ہے، اس عبارت سے معلوم ہوا
کہ یہ آٹھویں صدی تک پڑھا پڑھایا جاتا تھا، [2] ص ۱۰۳، [3] درر کامنہ جلد ۱ ص ۳۶۰،

ان کے علاوہ اس نام کی کئی اور خاتون ہین، جنھون نے خدمتِ حدیث مین کچھ کچھ حصہ لیا ہے، مثلاً اسماء بنت الحافظ صلاح الدین متوفاۃ ۷۹۵ھ، اسماء بنت احمد متوفاۃ ۸۰۰ھ، اسماء بنت الخلیل العلائی متوفاۃ ۷۹۵ھ وغیرہ،

امۃ العزیز: یہ حافظ ابوالحسین علی کی صاحبزادی تھین عام طور پر یہ "الشیخۃ" کے لقب سے معروف تھین، شیخ شمس الدین، ابن علان اور نصر اللہ بن حواری وغیرہ سے اُن کو سماع حاصل ہے، اس نام کی دو ایک اور محدثات بھی ہین،

امۃ الرحمٰن اور امۃ السلام: یہ دو خاتون بھی ساتوین صدی کی محدثات مین ہین، امۃ الرحمٰن نے مشہور محدث شیخ حجار سے بخاری شریف پڑھی تھی، اور خود اُس کی روایت بھی کرتی تھین، شیخ ابوحامد نے اُن سے سماع کیا تھا، انھون نے اپنے معجم الشیوخ مین امۃ الرحمٰن کا تذکرہ بھی کیا ہے[1]، ۸۰۰ھ ہجری کے بعد انتقال کیا،

امۃ السلام: یہ مشہور محدثہ ست الاہل کی پوتی تھین، اور اُنھی سے حدیث پڑھی تھی، خود بھی روایت کرتی تھین، ۸۰۰ھ مین اس دار فانی کو چھوڑا[2]،

امۃ الرحیم اور آمنہ نام کی بھی متعدد خواتین ہین، جو اسی سلسلۃ الذہب کی چھوٹی چھوٹی کڑیان ہین،

جویریہ بنت احمد: جویریہ اپنی شہرت اور علم کے لحاظ سے ست الوزراء اور زینب بنت کمال کے ہم پایہ تھین، گو ست الوزراء اُن کے شیوخ مین ہین، انھون نے ابن شحنہ اور ست الوزراء سے صحیح بخاری اور شریف موصلی سے صحیح مسلم اور ابوالحسن بن صواف سے سنن نسائی اور مسند حمیدی، اور علی بن عیسیٰ سے مستخرج اسمٰعیلی اور جزء سفیان، اور حسین بن عمر سے مسند دارمی وغیرہ کا سماع کیا تھا، اُن سے سماع ا

---

[1] درر کامنہ جلد ا ص ۴۰۲ [2] ایضاً،

روایت کرنے والون کی تعداد بہت زیادہ ہے، ابوجعفر کو یک ان کے تلامذہ مین ہین، اُن کی حدیث دانی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ

سمع منھا بعض مشائخنا وکثیر من اقراننا،	ہمارے بعض شیوخ حدیث اور بہت سے معاصرین نے اُن سے سماع کیا ہے،

۷۴۷ھ مین پیدا ہوئین، اور ۸۳۳ھ مین وفات پائی[1]،

حبیبہ نام کی ایک محدثہ کا تذکرہ حسینی نے ذیل طبقات الحفاظ مین کیا ہے، ان کو ابن الدائم سے سماع اور محمد بن الہادی سے اجازت حاصل تھی[2]،

دنیا بنت حسن، مشہور محدث امام برزالی کی اہلیہ تھین، انھون نے یوسف بن غسولی[3] سے سماعِ حدیث کیا تھا، شیخ زین الدین العراقی اور ابن رافع اُن کے تلامذہ مین ہین، ۶۹۶ھ مین پیدا ہوئین، اور ۷۵۹ھ مین وفات پائی[4]،

رقیہ بنت عبدالغفار، عبدالغفار ساتوین صدی کے مشہور محدث ہین، یہ اُنھی کی صاحبزادی تھین، انھون نے محمد بن الحسن سے سماع کیا تھا، شیخ زین الدین العراقی اُن کے تلامذہ مین ہین،

رقیہ نام کی ایک اور مشہور خاتون تھین، یہ شیخ تقی الدین، ابن دقیق العید کی صاحبزادی تھین، انھون نے عز الحرانی، ابوبکر انماطی، ابن خطیب وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا، قاہرہ مین یہ خود درس دیتی تھین، ۷۴۱ھ مین وفات پائی[5]،

زینب بنت اسماعیل، یہ امۃ العزیز کے لقب سے مشہور ہین، ابتداء مین انھون نے اپنے والد

---

[1] درر کامنہ جلد ا ص ۴۴۵ [2] ذیل ص ۲۰۸، [3] یہ اپنے وقت کے امام حدیث تھے، شیخ موفق کے تلامذہ اور امام ذہبی کے شیوخ مین ہین، ۶۹۱ھ مین وفات پائی، غسول دمشق مین ایک گاؤن ہے، وہین کے رہنے والے تھے، [4] درر کامنہ جلد ۲ ص ۱۰۲ [5] ایضاً ص ۱۱۷،

اسمٰعیل سے استفادہ کیا، اور اس کے بعد انتخاب طبرانی، اربعین للآجری، جزء ابن عرفہ اور امام بغوی اور ابن صاعد کی مرویات کا دوسرے مشائخ سے سماع کیا، علی ابن اوحد سے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی پڑھی، اس کے علاوہ اور فنون کی بھی تکمیل کی، حسن بن حسین، عبد الرحمٰن بن معالی، عبد اللہ المقدسی وغیرہ اُن کے شیوخ مین ہین[1]۔

زینب بنت شکر، یہ بھی اس صدی کی مشہور خاتون ہین، ابن اللتی اور ہمدانی جیسے شیوخ حدیث سے حدیث پڑھی تھی، بڑے بڑے محدثین اُن کے تلامذہ مین ہین، اُن سے سماع کرنے کے لئے لوگ سفر کرکے آتے تھے، ابن عماد لکھتے ہین،

وارتحلت الیھا الطلبۃ — اُن کے پاس طلبہ سفر کرکے آتے تھے،

اپنے زمانہ مین حدیث کی بعض کتابون کی تحدیث وروایت مین یہ منفرد تھین، مثلاً مسند دارمی اور ثلاثیات دارمی وغیرہ صلاح الدین بن الامیر فخر الدین اور شیخ جمال الدین بن ظہیر نے جو اپنے وقت کے مشہور محدث ہین، ان سے سماع کیا تھا، اور خاص طور سے ثلاثیات دارمی پڑھی تھی[2]،

بیت المقدس کی رہنے والی تھین، مگر اُن کا حلقۂ درس مدینہ منورہ، دمشق، اور مصر تک پھیلا ہوا تھا[3]،

علم وفضل کے ساتھ نہایت عبادت گذار اور نیک کردار تھین، ،، برس کی عمر مین ۷۲۳ھ مین وفات پائی[4]،

زینب بنت سلیمان، یہ بھی معروف محدثات مین ہین، ان کو ابن زبیدی اور احمد بن عبد الدائم ابن صباح اور ابن حجاج وغیرہ محدثین سے سماع حاصل تھا، بعض اجزاے حدیث کی روایت مین وہ

---

[1] درر کامنہ جلد ۲ ص ۱۱۹ [2] ایضاً جلد ۲ ص ۱۱۴ [3] ایضاً جلد ۲ ص ۱۱۸ وشذرات الذہب جلد ۶ ص ۵۶، [4] تاریخ وفات مین توکوئی اختلاف نہین ہے، مگر عمر کے بارے مین ابن عماد نے لکھا ہے، کہ اُن کی وفات ۹۴ برس کی عمر مین ہوئی، واللہ اعلم جلد ۶ ص ۵۶،

منفرد تھین، ۷۰۵ھ مین وفات پائی[1]،

زینب بنت یحییٰ، یہ شیخ عز الدین بن عبد السلام کی پوتی تھین، شیخ بلدانی اور ابراہیم بن خلیل وغیرہ سے روایت کرتی ہین، ابن عماد نے لکھا ہے کہ وہ کثرت سے روایت کرتی تھین[2]، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ سماع متصل کے ساتھ طبرانی کی معجم صغیر کی روایت وتحدیث مین یہ منفرد تھین،

امام ذہبی کا بیان ہے کہ اُن کو روایت حدیث سے اس قدر شغف تھا کہ

قری علیھا یوم موتھا عدۃ اجزاء، — جس دن اُن کی وفات ہوئی، اس دن بھی متعدد اجزاے حدیث ان کو پڑھے گئے[3]،

۷۳۵ھ مین اس دنیا سے رخصت ہوئین،

زینب بنت عبد اللہ، یہ امام ابن تیمیہ کی بھتیجی تھین، انھون نے حجار وغیرہ سے سماع کیا تھا، حافظ ابن حجر کے شیوخ مین ہین[4]،

اس نام کی اور کئی خاتون ہین، جو اس فہرست مین داخل ہوسکتی ہین، مگر طوالت کے خیال سے صرف اُن کے نام مع مختصر تعارف درج کردیئے جاتے ہین،

زینب بنت محمد، مشہور محدث احمد بن الدائم کی پرپوتی تھین، ۷۲۲ھ مین وفات پائی،

زینب بنت علی، یہ امام ذہبی کی پھوپھی تھین،

زینب بنت احمد بنت المغربی کے نام سے معروف ہین، مکہ مین درس دیتی تھین، ۸۰۰ھ مین وفات پائی،

زینب بنت قاسم، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ہمارے شیوخ مین متعدد اصحاب نے اُن سے

---

[1] درر کامنہ جلد ۲ ص ۱۱۸ [2] شذرات جلد ۶ صفحہ ۱۱۱، [3] درر کامنہ ج ۲ ص ۱۲۱ [4] شذرات جلد ۶ ص ۳۲۵، [5] درر کامنہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ تا صفحہ ۱۲۱،

روایت کی ہے، ۸۰۱ھ مین وفات پائی،[1]

زاہدہ اور زینہ نام کی بھی متعدد خواتین ہین، جو اس سلسلہ مین داخل ہین، زاہدہ نے ست الوزراء سے صحیح بخاری پڑھی تھی، اور زینہ کے متعلق ابن عماد نے لکھا ہے کہ روت الکثیر، انھون نے کثرت سے روایت کی ہے،

اسی طرح سارہ نام کی بھی متعدد خواتین کا تذکرہ حافظ ابن حجر نے کیا ہے، جن مین سارہ بنت عبدالرحمن امام برزالی کے شیوخ مین اور سارہ بنت محمد محدث برہان الدین، اور ابو حامد بن ظہیرہ کے شیوخ مین ہین،

ست العرب محمد بن الفخر البخاری[2] ساتوین صدی کے مشہور و معروف محدث گذرے ہین، یہ انہی کی پوتی تھین اپنے دادا سے حدیث پڑھی تھی، ابوبکر ہیثمی، حافظ زین الدین العراقی، امام مقری جیسے سرآمد روزگار محدثین اُن کے تلامذہ ہین، اُن کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے، کہ حافظ عراقی خود بھی اُن کی خدمت مین حاضر ہوتے، اور تیمناً اپنے صاحبزادہ کو بھی ساتھ لیجاتے تھے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اُن کے دادا کی مرویات کثرت سے ان کے پاس تھین، اُن کے الفاظ یہ ہین،

فکان عندھا من حدیثه من	ان کے پاس اپنے دادا ابن الفخر کی مرویات
الکتب الطوال والاجزاء شیئ	کے بڑے بڑے مجموعے اور اجزاء کثرت سے
کثیر،[3]	موجود تھے،

---

[1] درر کامنہ ج ۲ ص ۱۲۰ تا ص ۱۲۱ [2] ان کا تذکرہ بار بار آیا ہے، اس لئے اُن کا مختصر حال لکھدیا جاتا ہے، ابن البخاری کے نام سے اسلئے معروف ہین کہ اُن کے والد بہت دنون تک بخارا مین قیام پذیر رہے، یہ ۵۹۶ھ مین پیدا ہوئے، اور ۶۹۰ھ مین وفات پائی، اپنے زمانہ مین یہ علو سند مین ممتاز تھے، اُن کے درس مین اس قدر مجمع ہوتا تھا، کہ ایک ایک بار پانزدہ بارہ سو آدمی اُن کے درس مین شریک ہوتے تھے [3] درر کامنہ جلد ۲ ص ۱۲۷،

ابن عماد اُن کے بارے مین لکھتے ہین،

المسندۃ المکثرۃ	یہ مستند محدثہ مین تھین، ان کی مرویات کثرت
حدثت وانتشر عنھا حدیث	سے ہین، حدیث کا درس دیتی تھین، اس لئے
کثیر،[1]	ان کے ذریعہ کثرت سے حدیثین پھیلین،

اس علم و فضل کے ساتھ نہایت صالحہ اور پاکیزہ اخلاق تھین، ۷۶۶ھ مین وفات پائی، ان معنوی یادگارون کے علاوہ ایک عالم صاحبزادہ شمس الدین کو بھی یادگار چھوڑا،[2]

ست الفقہا اور ست القضاۃ، یہ دونون خاتون امیر دمشق علاء الدین کی بہن تھین، ان بھائی اور بہنون کو حدیث کا خاص ذوق تھا، مشہور محدثہ شامیہ بنت البکری سے انھون نے سماع حدیث کیا تھا، یہ خانوادہ قلعہ شیزر[3] مین رہتا تھا، یہین پر ان دونون بہنون نے محمد بن الجوہری کی امالی[4] کے تیسرے چوتھے، چھٹے، ساتوین اور گیارہوین حصے کا سماع کیا تھا، اسی قلعہ مین ان کا درس حدیث بھی ہوتا تھا، ست الفقہاء زین الدین العراقی کے شیوخ مین ہین، ۷۶۵ھ مین وفات پائی،[5]

ست البنین، انھون نے ابن شحنہ[6] سے بخاری پڑھی تھی، امام دمیاتی نے اُن کو روایت حدیث کی اجازت دی تھی، ابو حامد بن ظہیرہ اُن سے سماع کے ذریعہ روایت کرتے ہین،[7]

ست الخطباء، قاہرہ کے قاضی تقی الدین کی صاحبزادی تھین، علی بن صواف اور علی بن عیسیٰ وغیرہ سے سماع حاصل تھا، مصر اور دمشق دونون جگہ اُن کا فیض تحدیث جاری تھا،[8] اُن کی ایک بہن سارہ کا تذکرہ آ چکا ہے، ۷۳۳ھ مین وفات پائی،

---

[1] شذرات ج ۶ ص ۸۰، [2] درر کامنہ ج ۲ ص ۱۲۷، [3] یہ قلعہ صرف قلعہ نہین تھا، بلکہ ایک چھوٹی سی ریاست کا مرکز تھا، اسامہ بن منقذ اور بہت سے علماء اور امراء اس سے وابستہ رہے ہین [4] یہ امالی حدیث سے متعلق تھی [5] ایضاً، [6] ایضاً ص ۱۲۸ [7] ایضاً [8] ایضاً ص ۱۲۹،

ان کے علاوہ اس نام کی متعدد اور خواتین مثلاً ست الاہل، ست الشام، ست العجم، ست الجیل وغیرہ ہین جنھون نے حدیث کی روایت و سماع مین حصہ لیا ہے، حافظ ابن حجر نے درر کامنہ مین ان تمام کا تذکرہ کیا ہے، (ج ۲ ص ۱۲۷ تا ۱۳۰)

سبیتہ بنت محمد، ان کے والد شمس الدین عمر بڑے پایہ کے عالم تھے، انھون نے انہی سے سماع حدیث کیا تھا، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ان سے ایک جماعت نے سماع کیا ہے، مثلاً ابو حامد ابن ظہیرہ نے جو ہمارے اقران ہین، اُن کے ایک صاحبزادہ بدر الدین تھے جن کا شمار محدثین مین ہوتا ہے،[1]

سفری بنت یعقوب، سفری کے خاندان مین علم و فضل کئی پشت سے وراثتہً چلا آرہا تھا، ان کے پردادا عبد اللہ تمین اور عسقلان کے قاضی رہ چکے تھے، اُن کے دادا اسمٰعیل کا شمار محدثین مین تھا، سفری نے اپنے دادا اور اپنے بھائی اسحاق سے حدیث کا سماع کیا تھا، ۶۶۶ھ مین پیدا ہوئین، اور ۷۴۵ھ مین وفات پائی،[2]

شہدہ بنت کمال الدین، یہ حافظ وقت شیخ ابن العدیم کی پوتی تھین، انھون نے متعدد محدثین سے سماع کیا تھا، شیخ عمر بن بدر الموصلی سے سماع و روایت مین انھین تفرد حاصل تھا، امام ذہبی نے اُن سے سماع کیا تھا، ابن عماد اُن کے بارے مین لکھتے ہین،

کانت تکتب وتحفظ وتتزھد و تعبد،[3]	لکھنا جانتی تھین،[4] بہت سی چیزون کی حافظ تھین، نہایت عابدانہ اور زاہدانہ زندگی گذارتی تھین،

۷۰۹ھ مین وفات پائی،[5]

صفیہ بنت احمد، مشہور محدث شیخ کرمانی سے انھون نے اربعین الشحامیہ اور مشہور حافظ حدیث

---

[1] درر کامنہ ج ۲ ص ۱۳۰ [2] ایضاً ص ۱۳۰ [3] اس زمانہ مین پڑھنے کا رواج تو بہت تھا، مگر لکھنا بہت کم لوگ جانتے تھے، اس لئے اس صنعت کا تذکرہ ارباب رجال خصوصیت سے کرتے ہین [4] رجلد ۶ ص ۲۰ [5] درر کامنہ جلد ۲ ص ۲۱۵

احمد بن عبد الدائم سے صحیح مسلم پڑھی تھی، اس کے علاوہ حدیث کی دوسری کتابون کا سماع بھی کیا تھا، خود بھی صحیح مسلم اور بعض دوسری کتب حدیث کی تحدیث کرتی تھین، ۷۱۲ھ مین انتقال کیا،[1]

ضیفہ محدث شمس الدین کی صاحبزادی تھین، حدیث کا ذوق تھا، متعدد اصحاب حدیث سے سماع کیا تھا، لیکن اُن کا خاص شغل پند و موعظت تھا، اور اسی حیثیت سے وہ مشہور ہین، عورتون کے سامنے عموماً ان کا وعظ بھی ہوتا تھا،[2]

عائشہ بنت ابراہیم، یہ امام مزی کی اہلیہ تھین، حافظ ابن کثیر اُن کے داماد تھے، ان کو بھی حدیث سے کسی قدر لگاؤ تھا، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ انھون نے حدیث کی روایت کی ہے لیکن ان کا اصلی ذوق اور شغف قرآن سے تھا، قرآن کی حافظہ تھین، عورتون کو ترتیل کے ساتھ اس کا درس دیتی تھین، حافظ ابن کثیر نے بڑے اچھے الفاظ مین اس کا تذکرہ کیا ہے، وہ لکھتے ہین،

کانت عدیمۃ النظیر فی نساء زمانھا لکثرۃ عبادتھا وتلاوتھا واقرائھا القرآن بفصاحۃ وبلاغۃ واداءٍ صحیح یعجز کثیر من الرجال،[3]	اپنے زمانہ کی عورتون مین اپنی کثرت عبادت تلاوت، اور نہایت فصاحت، و بلاغت کے ساتھ قرآن کی تدریس مین وہ عدیم النظیر تھی قرآن اس قدر صحت مخارج کے ساتھ پڑھتی تھین کہ بہت سے مرد بھی اس طرح نہین پڑھ سکتے

عائشہ بنت محمد انھون نے متعدد محدثین مثلاً ابن العراقی، شیخ یدانی، محمد بن عبد الہادی وغیرہ سے سماع کیا تھا، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے،

حدثت بالکثیر وتفردت باجزاء[4]	بہت کثرت سے روایت کرتی ہین اور بہت سے اجزائے حدیث کی روایت مین یہ منفرد تھین،

---

[1] درر کامنہ جلد ۲ ص ۲۰۷ [2] ایضاً ۲۱۲ [3] البدایہ والنہایہ ج ۱۴ ص ۱۸۹ [4] درر کامنہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۶،

امام ذہبی نے اُن کو خیرہ اور قانعہ لکھا ہے، ان کا ذریعۂ معاش سلائی تھا، ۷۳۶ھ مین وفات پائی،

عائشہ بنت اسمٰعیل، زینب بنت اسماعیل جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے، یہ انہی کی بہن تھین، یہ بھی حدیث کی روایت مین معروف تھین، حافظ زین الدین العراقی کے شیوخ مین ہین،[۱]

حافظ ابن حجر نے عائشہ نام کی تقریباً پندرہ خواتین کا تذکرہ کیا ہے، جن مین بیشتر ایسی ہین جنھون نے حدیث کی روایت و سماع مین حصہ لیا ہے،

فاطمہ بنت ابراہیم ان کے والد اور دادا کا شمار علما مین تھا، فاطمہ نے ابتدا مین انہی سے استفادہ کیا تھا، ان کے علاوہ ابو مسہر کے مجموعۂ حدیث کو ابراہیم بن خلیل سے اور ابن الفرات کی احادیث کو خود انہی سے پڑھا تھا، اس کے علاوہ علی بن الدائم سے انتخاب طبرانی، اربعین آجری، جزء ایوب، جزء ابن عرفہ وغیرہ کا سماع کیا تھا، ان کو متعدد محدثین سے سماع و روایت مین تفرد حاصل تھا، ۷۹۹ھ مین وفات پائی،[۲]

فاطمہ بنت ابراہیم، انھون نے صحیح بخاری حافظ ابن الزبیدی سے پڑھی تھی، اور خود بھی اُس کی تحدیث کرتی تھین، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ

حدثت قدیماً من زمان ابن الدائم،	یہ بہت دنون سے یعنی حافظ ابن الدائم کے زمانہ سے منصب تحدیث پر فائز تھین،

امام سبکی جیسے علامۂ روزگار نے اُن سے اکتساب فیض کیا تھا، اُن کے ایک صاحبزادہ ابراہیم کا شمار علما مین تھا، اُن کے علاوہ ایک اور فاطمہ بنت ابراہیم ہین، جو امام ذہبی اور ابن رافع کے شیوخ مین ہین، ان امامون نے اپنے معجم الشیوخ مین ان کا تذکرہ کیا ہے،[۳] زینب بنت مکی[۴] جن کا تذکرہ ساتوین صدی کی

---

[۱] درر کامنہ جلد ۲ ص ۲۳۶ [۲] ایضاً جلد ۳ ص ۲۲۰ [۳] رر صفحہ ۲۲۱، [۴] زینب ان محدثات مین ہین جن سے روایت اور سماع کرنا قابل فخر تھا،

محدثات مین ہو چکا ہے، اُن سے فاطمہ کو سماع حاصل تھا،

فاطمہ بنت سلیمان، انھون نے آٹھوین صدی کے بیشتر مشاہیر سے روایت کی ہے، امام برزالی نے لکھا ہے کہ فاطمہ نے ہم سے متعدد کبار محدثین کی مرویات کی روایت کی ہے، اجازۃً جن شیوخ سے انھون نے روایت کی ہے، اُن کی تعداد سو سے متجاوز ہے، عز بن جماعہ اُن کے تلامذہ مین ہین، ابن عماد نے لکھا ہے کہ انھون نے کثرت سے روایت کی ہے، شادی نہین کی تھی، ۷۰۸ھ میں اس دار فانی کو چھوڑا،[۱]

فاطمہ بنت عبدالرحمٰن، آٹھوین صدی کے ایک علمی خانوادہ مین یہ پیدا ہوئین، اُن کے نانا تقی الواسطی کا شمار علما و محدثین مین تھا، ان کی والدہ ست الفقہاء جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے، محدثات مین تھین، انہی کے آغوش فیض مین اُن کی تربیت ہوئی، اور اسی علمی ماحول مین وہ پروان چڑھین، پہلے اپنے نانا اور اپنی والدہ سے تحصیل کی، اُس کے بعد احمد بن عبد الدائم سے انتخاب طبرانی، جزء ایوب، اور ابراہیم بن خلیل اور دوسرے شیوخ سے حدیث کے متعدد اجزاء کا سماع کیا،[۲]

فاطمہ بنت احمد، انھون نے صحیح بخاری محدثہ وقت ست الوزراء سے پڑھی تھی، ۷۶۲ھ مین وفات پائی،

فاطمہ بنت ابی بکر، یہ امام ذہبی اور امام برزالی کے شیوخ مین ہین، ۷۲۷ھ مین وفات پائی، فاطمہ بنت ابن الدائم مشہور محدث احمد بن عبد الدائم کی پوتی تھین، حدیث کے متعدد اجزاء اپنے دادا سے پڑھے تھے، امام برزالی کے شیوخ مین ہین،[۳]

فاطمہ بنت عبداللہ، حافظ ابن الدائم سے صحیح مسلم اور جزء ابن عرفہ کا سماع کیا تھا، دوسرے شیوخ حدیث سے بھی سماع حاصل ہے، حافظ عز بن جماعہ اور امام برزالی کے شیوخ مین ہین، ۷۳۳ھ مین وفات پائی،[۴]

---

[۱] درر کامنہ ج ۳ ص ۲۲۲ [۲] رر صفحہ ۲۲۳ [۳] ایضاً [۴] ایضاً ص ۲۲۵

فاطمہ بنت علی امام سبکی کی بہن تھین، ان کے والد خود محدث تھے، انہی سے سنن نسائی پڑھی تھی، عزبن جماعہ اُن سے روایت کرتے ہین،[۱]

ان کے علاوہ ایک اور فاطمہ بنت علی ہین، انھون نے صحیح بخاری حافظ وقت شیخ حجار اور مِزّی کے ذریعہ سے پڑھی تھی، ان سے ابو حامد بن ظہرۃ نے سماع کیا تھا، اور حافظ ابن حجر کے شیخ تقی الدین نے روایت حدیث کی اجازت لی تھی،[۲]

فاطمہ بنت عیاش بظاہر علم حدیث کی روایت و سماع کے سلسلہ مین ان کی کوئی خدمت نہین معلوم ہوئی، مگر علم و فن اور خاص طور سے علم فقہ سے انھین خاص ذوق تھا، اسی لئے اُن کو اس فہرست مین لے لیا گیا ہے،

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ فقہ بہت اچھی جانتی تھین، امام ابن تیمیہ ان کی ذکاوت اور علمی شغف کے بڑے مداح تھے، اُن کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہین،

کانت تدری الفقہ جیدًا وکانت	فقہ بہت اچھی جانتی تھین، اور فقہ کی تحصیل
تفقھت عند المقادستہ وقل	انھون نے علماے بیت المقدس سے کی تھی
من انجب من النساء مثلھا،	.... بہت کم عورتین اُن کی طرح
(درر جلد ۳ صفحہ ۲۲۶)	ممتاز ہوئی ہین،

ابن عماد نے اُن کے علم و فضل، زہد و تقوی اور امر بالمعروف کے بارے مین جو کچھ لکھا ہے، اس کے بعض فقرے یہ ہین :-

العالمۃ الفقیھۃ سیدۃ زمانھا	عالمہ فقیہہ اپنے زمانہ مین سیدۃ النساء تھین،
وانتفع بھا خلق من النساء وکانت	اُن سے بے شمار عورتون نے اکتساب فیض
وافرۃ العقل والعلم ذات اخلاص	کیا، نہایت عاقل اور صاحب علم تھین، اسی
وخشیۃ وامر بالمعروف وانصلح	کے ساتھ اخلاص خشیت الٰہی، اور امر بالمعروف
بھا نساء دمشق ثم نساء مصر و	کے زیور سے بھی آراستہ تھین، اُن کے ذریعہ دمشق
کان لھا قبول زائد،[۱]	اور مصر کی عورتون مین صلاح و تقوی پیدا
	ہوگیا تھا، اُن کو بہت زیادہ مقبولیت
	حاصل تھی،

فاطمہ بنت علم الدین، یہ امام برزالی کی صاحبزادی ہین، قرآن کی حافظہ تھین، ابن عماد نے لکھا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت سے انھون نے سماعِ حدیث کیا تھا، بخاری شریف کا انھون نے صرف سماع ہی نہین کیا تھا، بلکہ اُن کے پاس خود ان کا لکھا ہوا اس کا نسخہ بھی موجود تھا، حدیث کے متعدد اوراق اجزا، اور مجد الدین ابن تیمیہ کی کتاب الاحکام بھی اُن کے پاس خود انہی کی لکھی ہوئی موجود تھی،[۲]

ان کے علاوہ اس نام کی کئی اور خاتون ہین، جو اسی زمرہ مین داخل ہین، مگر قصداً اُن کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے،

موفقیہ بنت احمد، یہ بہت سے اجزاے حدیث کے سماع مین منفرد تھین، ابن سید الناس، امام سبکی، عزبن جماعہ، ابن الفخر وغیرہ بہت سے ممتاز محدثین اُن کے حلقۂ تلمذ مین داخل ہین،[۳]

مریم بنت شہاب الدین اُن کو حسینی نے مسندۃ مصر لکھا ہے، یہ قاضی القضاۃ شمس الدین کی پوتی تھین،

نادیخ بنت عبد اللہ، ابن الدائم سے صحیح مسلم اور منتقی کے بعض حصونکا سماع کیا تھا، عزبن جماعہ اور ابن رافع کے شیوخ مین ہین،

نخوۃ بنت زین الدین، حافظ ابو نعیم نے مستخرج بخاری کئی جلدون مین لکھی ہے، اُس کے

۱؎ درر کامنہ جلد ۳ ص ۲۲۲ ۲؎ ایضاً

۱؎ شذرات الذہب جلد ۶ ص ۳۴ ۲؎ ایضاً ص ۹۷ ۳؎ درر کامنہ ج ۳ ص ۳۳۸،

متعدد اجزار کا سماع تحفہ نے یوسف بن خلیل سے کیا تھا، ان اجزار کی روایت مین وہ منفرد تھین، امام ذہبی کے شیوخ مین ہین، انھون نے لکھا ہے کہ میرے خیال مین اُن کے علاوہ کسی دوسری عورت سے یوسف بن خلیل سے سماع نہین کیا ہے، ۷۱۹ھ مین وفات پائی،[۵۱]

نفیسہ بنت ابراہیم، ابن الدائم، عبدالوہاب بن الناصح، اسمٰعیل بن عسقلانی وغیرہ انکے شیوخ مین ہین، اور امام برزالی، امام ذہبی، ابوشامہ، ابن رافع وغیرہ نے اُنسے سماع کیا تھا، اور اپنے معجم الشیوخ مین انکا تذکرہ کیا ہی، حافظ ابن حجر نے لکھا ہی کہ انھون نے بہت کثرت سے روایت کی ہی، حسینی نے بھی انکا تذکرہ کیا ہی، ۷۲۹ھ مین وفات پائی،

ھدیہ بنت علی انھون نے ابن الزبیدی، ابن اللتی، اور ہمدانی وغیرہ سے سماع کیا تھا علم و فضل کے ساتھ صاحبِ زہد و تقوی بھی تھین،[۵۲]

اس صدی کے آخر مین ایک خاتون وزیرہ گذری ہین، اُن سے بڑے بڑے محدثین نے حدیث کا سماع کیا ہے، خصوصیت سے صحیح بخاری اور مسند الشافعی کی تحدیث مین وہ ممتاز تھین، ابن عماد اور حافظ ابن حجر نے متعدد جگہ ان کا ذکر کیا ہے،[۵۳]

طوالت کے خیال سے اس صدی کا تذکرہ ہم انہی پر ختم کرتے ہین، ورنہ اس صدی کی محدثات کی فہرست کافی طویل ہے،

(باقی)

---

۵۱ درر کامنہ جلد ۴ ص ۳۰۶، ۵۲ درر کامنہ جلد ا ص ۳۹، ذیل ۱۲۳ ۵۳ شذرات الذہب جلد ۶ صفحہ ۱۳۱
۵۴ ایضاً ص ۳۱۴، درر کامنہ ج ۳ ص ۲۲۳،

"مصحفی اور اُن کا تغزل"[۱]

از

از جناب سید شاہ ولی الرحمٰن صاحب ڈپٹی کلکٹر آرا

مدت سے ہون مین سرخوشِ صہبائے شاعری	نادان ہے جس کو مجھ سے ہے دعوائے شاعری
مین لکھنؤ مین زمزمہ سنجانِ شعر کو	برسون دکھا چکا ہون تماشائے شاعری
پھبتا نہین ہے بزمِ امیران دہر مین	شاعر کو میرے سامنے غوغائے شاعری
اے مصحفی زگوشہ، خلوت برون خرام	خالی است از برای تو خوجائے شاعری
ہر سفلہ راز بان و بیانِ تو کے رسد	آرے توئی فغانی و بابائے شاعری

مجنون منم چرا دگرے رنج می برد
در حصۂ من آمدہ لیلائے شاعری

یہ بلند آہنگ و دل پذیر نغمے اُس بلبل نواسنج کے ہین، جس کا نام شیخ غلام ہمدانی تھا، اور جو اب تک دنیائے شعر و ادب مین مصحفی کے لطیف و جمیل تخلص سے مشہور ہے، قبل اس کے کہ مصحفی کے تغزل سے بحث کرون، مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اُن کی زندگی کے کچھ حالات بھی مختصر طور پر بیان کر دون، مصحفی شیخ ولی محمد کے فرزند تھے، عموماً تذکرون مین اُن کے اسلاف کا وطن امروہہ بتایا گیا ہے،

---

[۱] مصحفی کے حالات کی ترتیب مین مولوی امیر احمد علوی صاحب کے مقالہ "حیاتِ مصحفی" سے مدد لی گئی ہے، لیکن تنقید مین کسی کی تقلید نہین کی گئی ہے، بلکہ اپنے ذاتی ذوق سے کام لیا گیا ہے،

لیکن اُن کے معاصر میر حسن اپنے تذکرۂ شعراء مین لکھتے ہین کہ مصحفی کے اسلاف کا وطن اکبر پور تھا، جو پرانی دلّی کے متصل ایک قصبہ تھا، مستورات کا قیام اسی قصبہ مین تھا، مگر مصحفی کے اجداد ملازمتِ شاہی کے سلسلہ مین زیادہ تر دہلی مین رہتے تھے، مصحفی کی ولادت اسی قصبہ اکبر پور مین ہوئی، صحیح سالِ ولادت معلوم نہین، اور ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ خود مصحفی کو بھی اس کا صحیح علم نہ تھا، کیونکہ اُن کے بیان مین تضاد پایا جاتا ہے، وہ اپنے تذکرہ ریاض الفصحاء مین رقم طراز ہین کہ ان کی عمر اسی کے قریب پہنچی ہوگی، یہ تذکرہ ۱۲۳۶ھ مین تمام ہوا، لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ اُن کی ولادت کا صحیح سنہ کیا تھا، بہر کیف قیاسی سال ۱۱۵۶ھ ہوتا ہے، جو صحیح نہین، دیوانِ ششم کے دیباچہ مین (۱۲۲۴ھ مین) خود انھون نے اپنی عمر کا اندازہ ساٹھ سال سے زیادہ بتایا ہے، مگر یہ بھی لکھا ہے کہ وہ احمد شاہ کے زمانہ مین پیدا ہوئے تھے، لہذا قرینہ ہے کہ اُن کی پیدایش ۱۱۶۱ھ یا ۱۱۶۲ھ مین ہوئی ہوگی، کیونکہ احمد شاہ کا سنہ جلوس ۱۱۶۱ھ ہے، انقلابِ زمانہ سے مجبور ہو کر خاندانِ مصحفی اکبر پور سے امروہہ کو منتقل ہوا، اور اسی قصبہ مین ان کا عہدِ طفلی گذرا، اُن کی ابتدائی تعلیم یہین ہوئی، اور یہین انھون نے طبیعت کی خداداد موزونیت سے بچپن ہی مین شعر کہنا شروع کر دیا، بارہ تیرہ سال کی عمر مین تحصیلِ علم کے لئے دہلی آئے اور یہین فارسی نظم و نثر کا درس لیا، دورانِ تعلیم مین مصحفی آنولہ گئے تھے، اور دو تین ماہ کے قیام کے بعد ٹانڈہ چلے گئے تھے، ٹانڈہ مین سودا اور درد کے شاگرد رشید قائم چاندپوری سے ملاقات ہوئی اور انھی کی وساطت سے مصحفی نے نواب محمد یار خان امیر کے دربار مین رسائی حاصل کی، یہان تین مہینہ تک مصحفی کی زندگی آرام و آسایش سے گذری، آخر گردشِ قسمت نے چین نہ لینے دیا، اور نواب کی تباہی و بربادی کے بعد مصحفی کو ٹانڈے سے بھاگ کر ۱۱۸۵ھ مین لکھنؤ آنا پڑا، سال بھر تک قیام کے باوجود مصحفی کی لکھنؤ مین کوئی قدردانی نہین ہوئی، مرزا سودا یہین قیام فرما تھے، مصحفی انکی خدمت مین حاضر ہوے، اور نیاز حاصل کیا، لیکن گذر اوقات کا کوئی سامان نہ ہو سکا، تو مجبور ہو کر مصحفی ۱۱۸۶ھ مین پھر دہلی پہنچے، اور حصول معاش کیلئے تجارت کا پیشہ اختیار کیا،

تحصیل علم کا شوق دامنگیر تھا، اس لئے تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا، اور تیس سال کی عمر مین فارسی درسیات کی تکمیل کی، آوارہ وطنی، پریشان حالی، تنگدستی، اور بدقسمتی کے سبب سے درسیاتِ فارسی کی تکمیل مین غیر معمولی تعویق ہو گئی،

دہلی مین مصحفی کا قیام بارہ سال تک رہا، یہین انھون نے ایک مشہور بزرگ مولانا فخر الدین چشتی سے خلوص و عقیدت کیساتھ نیاز حاصل کیا، اور اُن کے حلقۂ ارادت مین داخل ہو گئے، میر تقی میر بھی تک دہلی مین موجود تھے، مصحفی نے اُن کی خدمت مین حاضر ہو کر سعادت حاصل کی، خود مصحفی کا بیان ہے کہ میر اُن کے حال پر بہت مہربان تھے، شاہ حاتم، مرزا مظہر جانِ جانان، خواجہ میر درد، اور خواجہ میر اثر کی خدمت مین بھی مصحفی اکثر حاضر ہوتے، اور ان بزرگون کے فیض صحبت سے لطف اندوز ہوتے رہے، مصحفی کا قیام محلہ کوچہ چیلان مین تھا، انھون نے اپنے گھر پر مشاعرہ کا سلسلہ قائم کیا تو شاہ حاتم بھی پیرانہ سالی کے باوجود اس مین اکثر شریک ہوتے، اب مصحفی کی شاعری نے برگ و بار پیدا کئے اور شہرت نے پر پرواز نکالے، یہان تک کہ میر حسن نے فیض آباد مین اپنا تذکرہ شعراء مرتب کیا، تو مصحفی کا ذکر نہایت عملہ افزا الفاظ مین کیا، اور ان کے بہت سے اشعار نقل کئے، خداداد ملکۂ شاعری حاصل ہونے کی وجہ سے مصحفی میر و غالب کی طرح کسی استاد کے دامنِ فیض سے وابستہ نہ ہوئے یعنی رسمی طور پر کسی کے آگے زانوے تلمذ تہ نہ کیا، اُن کے مشاعرون مین شاہ حاتم کے علاوہ میر امانی اسد، حکیم ثنا، اللہ خان فراق، حکیم قدرت اللہ خان قاسم وغیرہ بھی شرکت کرتے تھے، اکبر، افسر، نالان، اور جوش وغیرہ مصحفی سے اصلاح بھی لیتے تھے، مرزا قتیل سے یہین ملاقات ہوئی، اور رابطہ، محبت آخر عمر تک قائم رہا، قتیل کی خاطر سے فارسی غزلین بھی مشاعرون مین پڑھی جاتی تھین، اور خود مصحفی بھی فارسی غزلین پڑھتے تھے، قتیل ہی کی ترغیب و تشویق سے مصحفی نے فارسی شعراء کا ایک تذکرہ (عقد ثریا) مرتب کیا، اس تذکرہ کی تالیف کے دوران مین مشاعرہ کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا تھا، تکمیل کے بعد مشاعرون کی تجدید ہوئی، خورم کے مکان پر بزم سخن

آراستہ ہوتی تھی، جس مین شاہ نصیر اور مرزا عظیم وغیرہ بھی شریک ہوتے تھے، آخر زمانہ نے کروٹ لی، بساطِ سخن الٹ گئی، مصحفی کو دلی چھوڑنا پڑی، ۱۱۹۰ھ مین وہ پھر لکھنؤ پہنچے، اور چند روز کے قیام کے بعد پھر دلی واپس جانا چاہا، مگر قتیل کے اصرار سے رک گئے، وہ پہلے غلام علی خان کے ساتھ رہے، پھر بیتاب بلگرامی کے مہمان ہوئے، اور اس کے بعد اپنے عزیز شاگرد لالہ کانجی مل صبا کے مکان کو عزت بخشی، اسی زمانہ مین میر حسن سے ملاقات ہوئی، اور انہی کے حکم سے اُن کے صاحبزادے میر خلیق نے مصحفی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، کچھ دنون کے بعد مصحفی ایک مقتدر رئیس میر محمد نعیم خان کے دولت کدے پر قیام پذیر ہوئے، لکھنؤ مین میر حسن کے علاوہ مصحفی کی میر، سوز، بقا، حسرت، اور جرأت وغیرہ سے بھی ملاقاتین ہوتی تھین، اب مصحفی کی شاعری عروج پر تھی، تلامذہ کی تعداد مین اضافہ ہونے لگا تھا، جن مین محمد عیسیٰ تنہا، مرزا حیدر علی گرم اور شاہ نور الاسلام منتظر خاص طور پر قابلِ ذکر ہین،

مرزا سلیمان شکوہ بھی مصحفی کے شاگرد ہوئے، اور استاد کی پچیس روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی، یہی عزت مصحفی کی تباہی اور پریشانی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، کیونکہ جب انشار لکھنؤ پہنچے، اور مرزا سلیمان شکوہ کے دربار مین رسوخ حاصل کیا، تو مصحفی کی تنخواہ پانچ روپیے کر دی گئی، آخرش مصحفی اور انشا مین نوک جھونک شروع ہو گئی، طرفین سے چوٹین چلین، ہجوین لکھی گئین، مرزا سلیمان شکوہ نے انشا ہی کا ساتھ دیا، غریب مصحفی کا پرسانِ حال کون تھا، اُن کے تلامذہ تنہا، منتظر اور گرم استاد کی مدد کو اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن مسکین مصحفی کی گت بن گئی، مرزا سلیمان شکوہ اب انشار کے شاگرد ہو گئے، اور مصحفی کے فرسودہ مصحف کو طاق پر رکھا، مصحفی نے یہ اشعار لکھکر جلے دل کے پھپھولے توڑے،

چالیس برس کا ہے چالیس کے لائق ‎ ‎ تھا مرد معمر کہین دس بیس کے لائق

افسوس کہ پچیس سے اب پانچ ہین اپنے ‎ ‎ ہم بھی تھے کبھی روز مین پچیس کے لائق

استاد کا کرتے ہین امیر اب کے مقرر ‎ ‎ ہوتا ہے جو درماہہ کہ سائیس کے لائق

ہجون کا سلسلہ شروع ہوا تو ہنگامہ برپا ہوا اور نقضِ امن کا احتمال ہو گیا، اراکین دربار کے اشارے سے کوتوالِ شہر کو مداخلت کرنا پڑی، ہجو کی ابتدا انشار کی طرف سے ہوتی تھی، اور مصحفی کو مجبوراً جواب دینا پڑتا تھا، مصحفی نے شاہزادے کی شان مین ایک قصیدہ پیش کیا، جس کے بعض شعرون سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ انشار ہی بانیِ فساد تھے، اور مصحفی کی مٹی ناحق پلید ہوئی تھی، فرماتے ہین،

خطا ہو میری جو پہلے تو کر اسیر مجھے ‎ ‎ وگر عدو کی ہو اس کو طوق اور زنجیر

مین اک فقیر غریب الوطن مسافر ہون ‎ ‎ رہے ہے آٹھ پہر جس کو قوت کی تدبیر

یہ افترا ہے بنایا ہوا سب انشار کا ‎ ‎ کہ بزم و رزم مین ہو پاے تخت کا دشیر

تاریخ شاعری کا یہ ایک ناگوار واقعہ ہے کہ زمانہ نے مصحفی کی قدر نہ کی، اور بد مذاقی نے انشار کو اُن کا مدِ مقابل بنا کر کھڑا کیا، آزاد نے آبِ حیات مین انشار کو مصحفی پر کھلم کھلا ترجیح دی ہے، اور مصحفی کے حالات بیان کرنے مین جا بجا چٹکیان لی ہین، کہین کہین انھون نے مصحفی کی تنقیص کا عجیب و غریب پہلو نکالا ہے، جو حد درجہ مضحکہ خیز ہے، مصحفی کا ایک شعر ہے،

اُس گل کی باغ مین جو صبا نے چلائی بات

غنچے نے مسکرا کے کہا ہم نے پائی بات

اس شعر پر آزاد کی تنقید ہے کہ بات چلائی، وہی امروہہ والی بات ہے، لیکن مین پوچھتا ہون کہ کیا خدائے سخن میر بھی امروہہ کے رہنے والے تھے، جو انھون نے بھی اسی محاورہ کو استعمال کیا ہے؟

لگ کر تدرو رہ گئے دیوار باغ سے

رفتار کی جو تیری صبا نے چلائی بات

آزاد کی تنقیص سے مصحفی کے کمال کو داغ نہین لگ سکتا، انشار لاکھ ذہین فطین، اور طباع

سہی، مصحفی کے اوجِ کمال تک اُن کی رسائی نہین ہو سکتی، انشار انشا ہین، اور مصحفی مصحفی،

آخر کار مجبور و مایوس ہو کر مصحفی مرزا سلیمان شکوہ کی خدمت سے آزاد ہو گئے، اور گوشہ نشینی اختیار کر لی، انھون نے دل کے پھپھولے بھی یون توڑے،

جاتا ہون ترے در سے کہ توقیر نہین یان	کچھ اس کے سوا اب مری تدبیر نہین یان

اے مصحفی بے کار ہے اس شہر مین رہنا	سچ ہے کہ کچھ انسان کی توقیر نہین یان

لیکن اب مصحفی کی زندگی عسرت سے بسر ہونے لگی، اور وہ لکھنؤ کے قیام سے دل برداشتہ ہو گئے، انھون نے لکھنؤ مین ایک عقد بھی کر لیا تھا، اور خانگی فکرون سے اور بھی پریشان رہنے لگے تھے، بعض تلامذہ نے دل جوئی اور مالی خدمت کی، مصحفی نے اوقات بسری کے لئے کچھ دنون مئے نوشی بھی کی، اپنے عزیز شاگرد تنہا کی فرمایش سے شہر کے باہر ایک ویرانے مین جو روشن آرا کے نام سے مشہور تھا، ایک خاص مجلس مشاعرہ قائم کی جس مین بغیر اجازت کوئی غیر شریک نہین ہو سکتا تھا، کچھ دنون کے بعد یہ مجلس درہم برہم ہو گئی، کیونکہ اس کے روح روان منتظر راہی ملکِ بقا ہوئے، اور گرم بھی لکھنؤ چھوڑ کر کہین چلے گئے، ۱۲۱۶ھ مین مصحفی کی تقدیر پھری، اور انھون نے مرزا محمد تقی خان ہوس کی رفاقت اختیار کی جن کی ایک غزل کا ایک مشہور شعر یہ ہے،

جیتے جی قدر بشر کی نہین ہوتی پیارے
یاد آئے گی تجھے میری وفا میرے بعد

دس بارہ سال تک مصحفی نے ہوس کے ساتھ آرام و عافیت سے زندگی بسر کی، اُس کے بعد نواب سعادت علی خان کے صاحبزادون نواب مہدی علی خان اور نواب کلب علی خان کے خوانِ نعمت کے نمک خوار رہے آخرش مصحفی نے پیرانہ سالی مین کم و بیش اٹھتر سال کی طویل عمر پا کر ۱۲۴۰ھ مین وفات پائی، اور لکھنؤ مین مدفون ہوئے، اب یہ کوئی نہین جانتا کہ انکا مزار کس جگہ پر ہے،

مصحفی کا نہ نشان پوچھ کہ مدت گذری	پائتی گھس گئی تربت کا سرہانا نہ رہا

نشانِ صوری تو مٹ چکا لیکن نشانِ معنوی (کلام) ان کا نام اب تک روشن کئے ہوئے ہے، شعراء عموماً لاولد ہوتے ہین یہی حال مصحفی کا بھی ہے کہ وہ اولاد کی نعمت سے محروم، مگر شاگردان کثیر کی دولت سے مالا مال تھے، تنہا، منتظر، گرم، ہوس وغیرہ کے علاوہ آتش، اسیر، ضمیر، اور خلیق بھی اُن کے خاص تلامذہ تھے، علی الخصوص خواجہ آتش نے دنیائے تغزل مین شہرتِ دوام حاصل کی، اور استاد کے نام کو چار چاند لگا دیئے،

عموماً تذکرہ نویس لکھتے ہین کہ مصحفی صرف زبان فارسی اور ضروریاتِ شعری سے باخبر تھے لیکن خود مصحفی کا بیان ہے کہ انھون نے لکھنؤ مین طبعیات، الٰہیات، ریاضیات، اور ادبیات مین کافی بصیرت حاصل کی تھی، تیس سال کی عمر مین تو دہلی مین فارسی درسیات کی تکمیل کی تھی، اور لکھنؤ مین چالیس سال سے زیادہ کی عمر ہو چکی تھی کہ علومِ عربیہ مین درجۂ افضلیت حاصل کیا، انھون نے عربی مین متعدد قصائد اور غزلین لکھی تھین، جو کیڑون کی نذر ہو گئین، حصول علم کا ذوق اخیر عمر تک قائم رہا۔ چنانچہ تفاسیر و احادیث کا بھی مطالعہ کیا، غرض مصحفی صرف شاعر ہی نہ تھے، بلکہ ایک عالم و فاضل شخص تھے،

مصحفی صرف شاعر ہی نہ تھے، بلکہ ادیب بھی تھے، انھون نے شعر و ادب کی خدمت مین اپنی تمام عمر بسر کر دی، تصانیف کی کثرت کا یہ حال ہے کہ اردو مین ایک دو نہین، تین چار نہین، بلکہ آٹھ دیوان مرتب کئے، آٹھون دواوین کے مکمل نسخے ہر جگہ نہین ملتے، اس لئے بہت سے لوگون کو اس کا علم نہین لیکن پٹنہ کے کتب خانہ، مشرقیہ مین آٹھون دواوین کے نہایت خوشخط مکمل نسخے موجود ہین، جن کا مین نے مطالعہ کیا ہے، رامپور کے سرکاری کتب خانہ مین چار یا پانچ دواوین ہین، جن کا انتخاب اسیر و امیر نے شائع کیا تھا، لیکن بعض شعرون مین تصرف و ترمیم سے کام لیا تھا، مصحفی فارسی مین بھی شعر کہتے تھے، اور تین دواوین مرتب کئے تھے، لیکن فارسی کلام محض معمولی ہے، شاعری کے علاوہ نثر مین بھی

مصحفی نے متعدد کتابین لکھین، جن کی فہرست یہ ہے،

(۱) مجمع الفوائد، اس مین اپنا نسب نامہ تحریر کیا تھا، یہ کتاب ناپید ہے (۲) عروض مین خلاصۃ العروض (۳) فارسی محاورات مین مفید الشعراء، ان دونون کتابون کا صرف نام ہی سنا جاتا ہے (۴) عقد ثریا، یہ فارسی شعراء کا تذکرہ ہے، جس کی ترتیب سنہ ۱۱۹۴ھ یا ۱۱۹۵ھ مین ہوئی، لیکن سنہ ۱۱۹۹ھ مین اس کا نام عقد ثریا رکھا گیا (۵) تذکرۂ شعرائے ہندی گویان، یہ اردو شعراء کا ایک مفید تذکرہ ہے، جس کی ابتدا سنہ ۱۲۰۰ھ مین ہوئی، اور سنہ ۱۲۰۹ھ مین تکمیل ہوئی (۶) ریاض الفصحاء، شعرائے اردو کے تذکرہ کا یہ دوسرا حصہ ہے، سنہ ۱۲۲۱ھ مین اس کی ابتدا، اور سنہ ۱۲۳۶ھ مین تکمیل ہوئی (۷) بدر منیار، یہ اُن ہندو شعراء کا تذکرہ ہے، جو مصحفی کے دور مین موجود تھے، مختصر تذکرہ سنہ ۱۲۱۳ھ مین تمام ہوا (۸) نور ازل، یہ اہل دول شعراء کا تذکرہ ہے، جو سنہ ۱۲۰۹ھ مین مرتب ہوا،

مصحفی نے ہزارون غزلون کے علاوہ متعدد قصائد اور مثنویان بھی لکھی ہین، جن سے اُن کی قادر الکلامی و پرگوئی ثابت ہوتی ہے، لیکن ان تمام اصناف سخن مین مصحفی کی غزلین اُن کی بقائے دوام کی ضامن ہین،

غزل گوئی ایک نہایت دل پسند اور لطافت انگیز صنف سخن ہے، جس مین عشق و محبت کے سوز و گداز اور جذبات و واردات بیان کئے جاتے ہین، اس صنف کی ایجاد باضابطہ طور پر ایران[ط] مین ہوئی، اور ایسے ایسے غزل گو شعرا پیدا ہوئے، جن پر شاعری کو بھی ناز ہے، اردو شعراء نے بھی ایرانی شعراء کی تقلید کی، اور ایرانی غزلگوئی کے محاسن کے ساتھ معائب کو بھی آنکھ بند کرکے اختیار کر لیا، اگر بھاشا کی شاعری کا رنگ بھی اختیار کیا جاتا، تو ایرانی و ہندی طرزون کی آمیزش سے اردو غزل عجیب و غریب

[ط] تغزل کی ابتدا، درحقیقت عرب مین ہوئی یعنی قصیدہ کے اس حصہ مین جس کو تشبیب کہتے ہین عشق و محبت کی واردات بیان کی جاتی تھین اس حصہ کو غزل سمجھنا چاہئے،

چیز ہوتی، اور آج پروفیسر کلیم الدین کو یہ کہنے کا موقع نہ ملتا کہ غزل نیم وحشی صنف سخن ہے لیکن اس پر بھی اردو غزل اپنے گوناگون محاسن کے لحاظ سے نیم وحشی صنف سخن کہلانے کی ہرگز مستحق نہین بلکہ ایسا کہنے والا خود ہی نیم وحشی خیال کا حامل قرار دیا جا سکتا ہے،

ابتدائی دور کے شعراء مین سب سے زیادہ کمال ولی دکنی نے اور ان کے بعد سراج اورنگ آبادی نے حاصل کیا، سراج کے ہم عصر دہلوی شعراء مین آبرو، مضمون، ناجی اور یکرنگ مشہور ہین، لیکن ان حضرات کے کلام مین تغزل کے پاکیزہ جذبات کی بجائے صنعت لفظی کی کارفرمائی ہے، یہ شعراء محض ایہام گو تھے، دوسرے دور کے دہلوی شعراء مین حاتم اور مظہر قابل ذکر ہین، تیسرا دور نہایت زرین تھا، جس مین سودا، درد اور میر پیدا ہوئے، اگرچہ سودا کی غزلون مین وہ درد، وہ خستگی اور وہ سوز و گداز نہین جو میر اور درد کی غزلون مین پایا جاتا ہے، تاہم خوش گوئی، برجستگی اور شگفتگی کی وجہ سے سودا کی غزلین بھی بہت بلند تر ہین، اور بعض بعض شعرون مین سوز و گداز بھی پایا جاتا ہے، اس دور مین فغان، قائم، یقین اور اثر بھی غزلگوئی مین ممتاز نظر آتے ہین، درد کی غزلون مین عاشقانہ و عارفانہ جذبات کی فراوانی ہے، صوفی شعراء مین ان کا کوئی ثانی نہین، میر کا کیا کہنا وہ تو امام المتغزلین ہین، میر کی طبیعت اس قدر الم ناک، اندوہ گین اور درد مند اور ان کا دل اتنا شکستہ و خستہ واقع ہوا تھا کہ اُن کا ہر شعر درد و غم کا ایک مرقع نظر آتا ہے،

چوتھے دور کے شعراء مین راسخ، انشا، جرأت، حسن، مصحفی، اور نظیر خاص طور پر قابل ذکر ہین، غزل مین نظیر کا کوئی خاص درجہ نہین، لیکن مختلف موضوع پر نظم لکھنے مین اُن کو کمال حاصل تھا، انھون نے اپنی نظمون مین عموماً عوام کے خیالات و جذبات کی پیروی کی ہے، اس وصف مین ان کا کوئی حریف نہین، اور نہ کوئی ہمسری کا دعوی کر سکتا ہے، واقعہ یہ ہو کہ نظیر اپنی آپ نظیر تھے، انشاء کے مزاج مین ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جو بڑھتے بڑھتے تمسخر کی حد تک پہنچ گئی تھی، اُن کی طبیعت مین ایسی بے چینی تھی کہ کسی خاص رنگ پر قائم نہین رہتی تھی، انھون نے سنجیدگی سے جو چند شعر اچھے کہدیئے ہین

دہی توجہ کے مستحق ہیں، ورنہ عموماً تمام دیوان میں فحش و ہزل کی گرم بازاری نظر آتی ہے، جرأت کے کلام میں عاشق و معشوق کی ہوسناک گفتگو بھری ہوئی ہے، اُنکے ہاں محبت کے بلند جذبات نہیں ملتے، راسخ عظیم آبادی ایک بلند مرتبت شاعر تھے، اُن کی غزلوں میں عاشقانہ و عارفانہ جذبات موجود ہیں لیکن خیالات میں تنوع نہیں، اور انداز بیان کچھ ایسا شگفتہ نہیں، راسخ کے کلام میں میر کے کلام کا رنگ موجود ہے لیکن پھر بھی بہت فرق ہے، تغزل میں میر کے اوج کمال تک راسخ کی رسائی نہیں، گو بعض حضرات وطن پرستی کے جذبہ سے مجبور ہو کر راسخ کو میر سے کم نہیں سمجھتے، راسخ نے چھوٹی چھوٹی متعدد مثنویان بھی لکھی ہیں، جو خوب ہیں، ان میں کہیں کہیں جوش عشق کی مختلف کیفیات بیان کی گئی ہیں، وہ غیر فانی نقوش ہیں، میر حسن مثنوی نگاری میں یکتائے روزگار تھے، مگر تغزل میں کوئی خاص درجہ نہیں رکھتے، اُن کے دیوانِ غزلیات کا حجم اچھا خاصہ ہے، مگر بلند و دل پسند شعر کم ملتے ہیں، جہان تک غزل گوئی کا تعلق ہے، اس دور کے تمام شعراء میں مصحفی کو فوقیت نظر آتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ بارھوین اور تیرھوین صدی ہجری کے شعراء میں میر، سودا اور درد کے سوا کسی شاعر کی غزل مصحفی کی غزلوں سے لگا نہیں کھاتی، بلکہ بعض حضرات تو سودا کی غزلوں پر بھی اُن کی غزلوں کو ترجیح دیتے ہیں،

مصحفی کے مزاج میں مسکینی و غربت تھی، طبیعت میں دردمندی و الم انگیزی تھی، خیالات میں سنجیدگی و متانت تھی، انداز بیان میں رنگینی و لطافت تھی، اسی لئے کلام میں سوز و گداز، جوش و اثر، اور شیرینی و دل آویزی پائی جاتی ہے، غزل سرائی کے لئے جن عناصر کی ضرورت ہے، وہ اُن کی طبیعت میں موجود تھے، اسی لئے اُن کی غزلوں کے آگے اُن کے معاصرین کی غزلیں فروغ نہ پا سکیں،

میری یہ رائے مصحفی کے منتخب شعروں کے متعلق ہے، ورنہ وہ نہایت پرگو شاعر تھے، شعر نہیں کہتے تھے، بلکہ باتیں کرتے تھے، اور پرگوئی کا لازمی نتیجہ ابتذال ہے، چنانچہ مصحفی کے کلام

میں بھی ابتذال بہت ہے، جو مضمون خیال میں آیا باندھ دیا، جو قافیہ سامنے آ گیا، نظم کر دیا، اور جو ردیف دھیان میں آئی، اسے اختیار کر لیا، ایک غزل کی زمین ہے، حقہ نہیں پیتا، سلفہ نہیں پیتا، لکھنؤ کا تمدن اور معاصرین کی تقلید کا اثر بھی مصحفی کے کلام کے ابتذال کا ذمہ دار ہے، نمونہ کے لئے دو شعر ملاحظہ ہون،

آیا جو وہ لئے ہوئے کل ہات میں چھڑی آتے ہی جڑ دی پہلی ملاقات میں چھڑی

شب گھر سے جو بیٹھی کی وہ آواز پہ نکلا نکلا تو وہ لیکن عجب انداز سے نکلا

لیکن منتخب اشعار نہایت دل آویز و دل پسند ہیں، اور بعض بہت ہی بلند،

ایک سوال یہ ہے کہ مصحفی کے کلام میں انفرادیت تھی یا نہیں یعنی اُن کا کوئی خاص رنگ جو دوسرے شعراء کے رنگ سے علحدہ ہو، تھا یا نہیں، عام خیال یہ ہے کہ اُن کا کوئی مخصوص رنگ نہ تھا، لیکن تقلید و انتخاب کا مادہ قدرت نے اُن کی طبیعت میں ودیعت کیا تھا، کہیں وہ میر ہیں کہیں سودا، کہیں درد، کہیں سوز، کہیں جرأت، کہیں انشا، کہیں نصیر اور کہیں ناسخ،

مصحفی کی غزلوں میں میر کا سوز موجود ہے لیکن وہ بے پناہ سوز نہیں، جو میر کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ اس سوز میں کسی قدر ساز بھی ملا ہوا ہے، سودا کی غزلوں میں داخلیت و خارجیت کا امتزاج ہے، اور انداز بیان میں عجیب شگفتگی، نشاط انگیزی اور شادابی پائی جاتی ہے، مصحفی نے سودا کی بھی تقلید کی، مگر وہ شگفتگی و شادابی جو سودا کے کلام کے ساتھ مخصوص ہے، مصحفی کے کلام میں نہ پیدا ہو سکی، مصحفی کی غزلوں میں سوز کی سادگی اور جرأت کی معاملہ بندی بھی موجود ہے، لیکن پھر بھی فرق ہے، جرأت کی معاملہ بندی میں جو شوخی پائی جاتی ہے، مصحفی کے کلام میں نظر نہیں آتی، سوز کی غزلوں میں سادگی اور بے تکلفی اس شدت کی ہے کہ اس کی سرحد نثر سے مل جاتی ہے، سوز اور جرأت مصحفی کا مقابلہ نہیں کر سکتے، یہی حال انشا کا بھی ہے، ناسخ اور نصیر کی بدولت غزلون

مین مضمون بندی کا عنصر داخل ہوا، تو مصحفی بھی اس رنگ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ اُن کا طبعی رنگ نہ تھا، بہرکیف یہ امر واقعہ ہے کہ مصحفی کا کوئی خاص رنگ نہین، بلکہ ان کا کلام مختلف اقسام کے پھولون کا ایک گلدستہ ہے، جس مین کانٹے بھی شامل ہین،

جناب فراق گورکھپوری کا دعویٰ ہے کہ مصحفی کے کلام مین انفرادیت پائی جاتی ہے لیکن یہ اُن کا حُسنِ ظن ہے، واقعہ یہ ہے کہ میر، آتش، غالب، مومن، شاد، حسرت اور اصغر کی غزلون مین جیسی انفرادیت پائی جاتی ہے، کسی اور غزل گو شاعر کو نصیب نہ ہوئی، مصحفی کی انفرادیت کے ثبوت مین فراق صاحب نے دو دلچسپ باتین بیان کی ہین، ایک جگہ وہ فرماتے ہین "رنگ، روپ، صورت و شکل، سجاوٹ، اور نکھار کا آئینہ دار جتنا مصحفی کا کلام ہے، اتنا اردو کے کسی اور غزل گو کا کلام نہین، ..... اُس کا کلام ایک تصویر خانہ (Picture Gallery) ہے" وہ لکھتا ہے :-

بھیگے سے ترا رنگِ حنا اور بھی چمکا — پانی مین نگارین کفِ پا اور بھی چمکا
جون جون کہ پڑین منہ پہ ترے مینہ کی بوندین — جون لالۂ تر حُسن ترا اور بھی چمکا

پیرہن سے ہے جھلکتا بدنِ سُرخ ترا — نہین چھپتا نہ شبنم چمنِ سُرخ ترا

چہرے پہ نازکی سے ہے جوشِ شکستِ رنگ — یہ تازہ گل ہے لالہ فروشِ شکستِ رنگ

یون ہے ڈھلک بدن کی اس پیرہن کی تہ مین — سُرخی بدن کی جھلکے جیسے بدن کی تہ مین

لیکن یہ روش کچھ مصحفی کے ساتھ مخصوص نہین ہے، بلکہ میر کے ہان بھی ایسی رنگین تصویرین ملتی ہین، مثلاً :-

چمن مین گل نے جو کل دعویٰ جمال کیا — جمالِ یار نے منہ اُس کا خوب لال کیا
بہار رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو — چمن کو یمنِ قدم نے ترے نہال کیا

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے — پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

میر ان نیم باز آنکھون مین — ساری مستی شراب کی سی ہے

کس بے گنہ کے خون مین ترا پڑ گیا ہے پاؤن — ہوتا نہین ہے سُرخ تو ایسا حنا کا رنگ
گل پیرہن نہ چاک کرین کیونکہ رشک سے — کس مرتبہ مین شوخ ہے اُسکی قبا کا رنگ

برگِ گل مین نہ دلکشی ہوگی — کفِ پائے نگار کے سے رنگ

چلتے ہو تو چمن کو چلئے سنتے ہین کہ بہاران ہے — پات ہرے ہین پھول کھلے ہین کم کم باد و باران ہے

فراق صاحب نے مصحفی کی ایک اور خصوصیت بیان کی ہے، اور اُس کے ثبوت مین ذیل کے دو شعر پیش کئے ہین :-

مجھے رحم آئے ہے حسرت پہ آہ اُس مُرغِ بے پر کے — کہ اُڑ سکتا نہ ہو اور ہو بہ زیرِ آشیان بیٹھا

حسرت پہ اُس مسافرِ بیکس کی روئیے — جو رہ گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

ان شعرون کے متعلق وہ فرماتے ہین، "ان اشعار سے مصحفی کی ایک اور خصوصیت نمایان ہوتی ہے، اور وہ خصوصیت ترسنے کی ہے، یونان کی میتھالوجی مین ٹنٹالس (Tentaulus) نامی ایک نوجوان کو کنوئین مین اُلٹا لٹکا دیا جاتا ہے، اس کنوئین مین پانی بھی ہے، اور سیب سے لدے ہوئے درخت بھی، لیکن پانی تک اوس کے ہونٹ اور پھلون تک اس کے ہاتھ پہونچ پہونچ کر رہ جاتے ہین، اس کشمکش کو Tantalia کہتے ہین، اور انگریزی لفظ TANTALIZING اسی سے نکلا ہے، اور اس رنگ مین مصحفی کا کوئی حریف نہین"

لیکن میرے خیال مین یہ خصوصیت بھی مصحفی کے ساتھ مخصوص نہین ہے، بلکہ اکثر شعراء نے اس مجبوری اور بےچارگی اور کشمکش کی تصویرین کھینچی ہین، مثلاً میر کے یہ اشعار ملاحظہ ہون،

حیف وہ جن کے وہ اس وقت مین پہنچا جب تو — ان کنے حال اشارون مین بتایا نہ گیا

دیر و حرم مین کیونکہ قدم رکھ سکے گا میر — ایدھر تو تجھ سے بُت پھرا اودھر خدا پھرا

ہائے اُس زخمیِ شمشیرِ محبت کا جگر درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہو

دکھ اب فراق کا ہم سے سہا نہین جاتا پھر اُس پہ ظلم یہ ہے کچھ کہا نہین جاتا

کیسا چمن کہ ہم سے اسیرون کو منع ہے چاکِ قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا

جناب مجنون گورکھپوری فرماتے ہین، "گہری نظر ڈالنے سے ہم کو مصحفی کے کلام مین ایک تیز انفرادی کیفیت نظر آتی ہے، جو انہی کی چیز ہے، اور جس کو مین نے ایک اندرونی فضائی کیفیت بتایا ہے، مصحفی اردو کے پہلے شاعر ہین، جنھون نے غزل کے اشعار مین رنگ اور فضا کا احساس پیدا کیا" مثال مین یہ شعر پیش کئے ہین،

ایک دن رو کے نکالی تھی مین وان کلفتِ دل آج تک دامنِ صحرا ہے غبار آلودہ

کھول دیتا ہے تو جب جا کے چمن مین زلفین پابہ زنجیر نسیمِ سحری نکلے ہے

کس نے رکھے تھے قفس ان پہ گرفتارون کے کانٹے کیون سرخ ہین سب باغ کی دیوارون کے

لیکن اس خصوصیت مین بھی میر اُن کے پیشرو ہین، چنانچہ یہ اشعار ملاحظہ ہون :-

اُنھی گلیون مین جب روتے تھے ہم میر کئی دریا کی دھارین ہو گئی ہین

لگ چلی ہے مگر اُس گیسوئے عنبر بو سے ناز کرتی ہوئی اس راہ صبا نکلے ہے

ہین بعد مرے مرگ کے آثار سے اب تک سوکھا نہین لوہو در و دیوار سے اب تک

دیکھئے میر کے ان تینون شعرون مین وہی فضائی کیفیت موجود ہے، جو مصحفی کے شعرون مین ہے، اس لئے اس کیفیت کو مصحفی کے کلام کے ساتھ مخصوص سمجھنا صحیح نہین،

آئیے اب مصحفی کے منتخب شعرون کا جائزہ لیا جائے :-

دیکھ آئینہ مین اک مہِ تابان ہے دوسرا تیرا ہی تیری شکل کا حیران ہے دوسرا

یہ شعر مومن اور شاد کے شعرون کے مفہوم کا مجموعہ ہے، وہ شعر یہ ہین،

مومن:- تو مجھ سا دمِ نظارۂ جانان ہوگا آئینہ آئینہ دیکھے گا تو حیران ہوگا

شاد:- تیری یکتائی مین نقصان بتا کیا ہوتا تجھ سا ہوتا جو کوئی وہ بھی تجھی سا ہوتا

لیکن میرے خیال مین ان مین سے کوئی شعر مصحفی کے شعر کو نہین پہونچتا،

مرغانِ باغ سارے چنتے پھرے ہین تنکے ہم کو بھی اب بنانا لازم ہے آشیان کا

تغزل کے پیرایہ مین یہ اخلاقی درس قابلِ ستائش ہے:-

جو خیال مین کسو کے شبِ ہجر سو گیا ہو نہ ہو صبح کو الٰہی کبھی اُس کا خواب الٹا

اس شعر مین میر کا سوز و گداز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے،

مین عجب یہ رسم دیکھی مجھے روزِ عیدِ قربان وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

عموماً یہ شعر انشار کا سمجھا جاتا ہے اور شاید انشار کے مطبوعہ دیوان مین موجود بھی ہے، لیکن کتبخانہ مشرقیہ پٹنہ مین کلیاتِ انشار کا جو قلمی نسخہ ہے، اُس مین یہ شعر مجھے نہین ملا، مصحفی کے تیسرے دیوان کے قلمی نسخہ مین یہ شعر موجود ہے،

اول تو تیرے کوچہ مین آنا نہین ملتا آؤن تو کہین تیرا ٹھکانا نہین ملتا

بعض اوقات انسان کو دہری مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ خیال اس شعر مین خوبی سے نظم ہوا ہے، اسی انداز بیان کا حامل ایک مطلع اور بھی ہے، جو اس سے بھی بہتر ہے،

اول تو قفس کا میرے در باز کہان ہے اور ہو تو یہان طاقتِ پرواز کہان ہے

کیا مجبوری اور بیچارگی ہے، اور اسلوبِ ادا بھی کتنا دلکش ہے، شاد عظیم آبادی نے ایک جگہ اسی طرزِ بیان سے فائدہ اٹھایا ہے، فرماتے ہین،

قابل بیان کے ہجر کی روداد بھی نہین سچ پوچھئے ہین آپ تو اب یاد بھی نہین

شاد کا شعر بھی درد و غم کا مرقع ہے،

جس بیابانِ خطرناک مین اپنا ہے گذر
مصحفی قافلے اس راہ سے کم نکلے ہین

میر نے بھی اس خیال کو نظم کیا ہے،

وہ دشت ہولناک رہا ہے مرا وطن
سُن کر جسے خضر نے سفر سے حذر کیا

لیکن مصحفی کے شعر کو میر کا شعر نہین پہنچا، مصحفی نے اس بلند پایہ صوفیانہ شعر کو نظم کرنے مین حافظ کے اس شعر سے فائدہ اٹھایا ہے،

در بیابانِ فنا گرچہ بہ ہر سو خطر ست
می رود حافظ بیدل بہ تولائے تو خوش

لیکن مصحفی کے دوسرے مصرع کا مفہوم حافظ کے دوسرے مصرع کے مفہوم سے مختلف ہے،

جو سدا محو ہے اپنی ہی آرایش کا
اُس کو کیا فکر مری بے سروسامانی کی

داغ کا شعر بھی بالکل اسی مفہوم کا ہے، لیکن اس مین شوخی کی آمیزش زیادہ ہے،

تم کو آشفتہ مزاجون کی خبر سے کیا کام
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوے گیسو اپنا

مضمون وہی ہے لیکن انداز بیان مین عجب شوخی ہے، اور تیور اور لہجہ بھی غضب کا ہے،

خواب مین دیکھا تھا مین بھی اس کا دامان ہاتھ مین
کھُل گئی جو آنکھ تو پایا گریبان ہاتھ مین

اصغر گونڈوی نے اس مضمون کو بعینہ لے لیا ہے، لیکن انداز بیان مین تازگی، شادابی، اور دل آویزی مصحفی کے شعر سے زیادہ ہے،

سو بار ترا دامن ہاتھون مین مرے آیا
جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریبان تھا

اصغر نے جو بحر اختیار کی ہے، وہ بہت مترنم ہے، اس لئے مصحفی کے شعر سے اُن کا شعر زیادہ پرکیف ہے،

تاہم چونکہ مصحفی کا شعر نقش اوّل ہے، زیادہ تعریف کا مستحق ہے۔

کٹتی نہین رات بے کسی کی
کیا جانے کوئی کسی کے جی کی

شاہد رہیو تو اے شبِ ہجر
جھپکی نہین آنکھ مصحفی کی

یہ دونون شعر میر کے رنگ کے حامل ہین، وہی درد ہے، وہی سوز ہے، وہی حسرت ہے، وہی خستگی ہے، اگر یہ شعر میر کے شعرون مین ملا دیئے جائین، تو امتیاز نہین ہو سکتا، ذیل کے دونون شعر بھی بالکل میر ہی کے انداز مین ہین، اور میر ہی کی بحر اختیار کی گئی ہے،

ہجر کی شب[1] بس چار پہر تک دل کو اک بیتابی ہو
آنکھ نہین اک پل بھی لگتی وحشت ہو بے خوابی ہو

کوئی دیارِ[2] خوبان مین بس مہر و وفا کا نام نہ لو
اور بھی چیزین ہین یہان اس جنس کی اک نایابی ہو

میر کے رنگ کے کچھ اور اشعار سننے کے لائق ہین، وہی لب و لہجہ ہے اور وہی انداز،

خواب تھا یا خیال تھا کیا تھا
ہجر تھا یا وصال تھا کیا تھا

مصحفی شب جو چپ تو بیٹھا تھا
کیا تجھے کچھ ملال تھا کیا تھا

یادِ ایام بے قراری دل
وہ بھی یارب عجب زمانہ تھا

اب کہان ہم کہان وہ کنجِ قفس
کوئی دن وان بھی آب و دانہ تھا

حادثے[3] ہوتے ہین زمانے مین
اس قدر انقلاب کس دن تھا

مصحفی آج تو قیامت ہے
دل کو یہ اضطراب کس دن تھا

تھمتے تھمتے تھمین گے آنسو
رونا ہے یہ ہنسی نہین ہے،

---

[1] میر کے ہان ایسے شعرون کی کثرت ہے:۔ مثلاً
کس کس اپنی کل کو رو دی ہجران مین بے کل اُس کا
خواب گئی ہے تاب گئی ہے چین گیا آرام گیا

[2] میر فرماتے ہین:۔ وہ کیا کچھ نہین حُسن کے شہر مین
نہین ہے تو رسم وفا ہی نہین

[3] میرا۔ مصائب اور تھے پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے

آخری شعر ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، رونا اور ہنسی کی رعایت کتنی دلکش ہو :۔

ہوں گرچہ بے گنہ پہ مجھے تیرے روبرو سر کو جھکائے مثلِ گنہگار بیٹھنا

امیر مینائی اس شعر پر یوں ہاتھ صاف کر کے گنہگار ہوئے ہیں :۔

دعویٰ ہو گو کہ بے گنہی کا امیر کو سر کو جھکائے مثلِ گنہگار بیٹھنا

اگر یہ توارد ہے تو سرقہ کسے کہتے ہیں :

اُٹھ اے مصحفی کیا یہی در ہے تجھکو پٹکنے کو سر آستانے بہت ہیں

یادش بخیر غالب کے یہاں یہ خیال موجود ہے،

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستان کیوں ہو

بنیادی خیال وہی مصحفی کا ہے، لیکن غالب کے شعر میں اہتمام الفاظ زبردست ہے :۔

مصحفی کر کے چاک گریبان چل جنگل کو اے دیوانے دیکھ تو کیا پھولا ہے لالہ سُرخ ہے کیسا دامن صحرا

اس خیال کو آتش نے یوں نظم کیا ہے، خیال مصحفی ہی کا ہے، مگر اندازِ بیان الگ ہے،

بہارِ لالہ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں گریبان پھاڑ کر چل بیٹھیے صحرا کے دامن میں

کوئی شک نہیں کہ اس شعر میں آتش کی آتش نوائی بدرجۂ اتم موجود ہے، اور مصحفی کے شعر سے زیادہ،

کچھ آرزو نہ تھی بت و بتخانہ دیکھنا منظور تھا ہمیں رخِ جانانہ دیکھنا

شاد عظیم آبادی نے اسی خیال کو بہتر اسلوب سے بیان کیا ہے، بہت مشہور شعر ہے۔

نہ آئینہ کا قصہ اور نہ حالِ شانہ کہتے ہیں حقیقت میں جمالِ یار کا افسانہ کہتے ہیں

شاد کے شعر میں زیادہ کیفیت پائی جاتی ہے،

لالہ ہوا بروئے خاک رنگ شفق بر آسمان خون کہاں کہاں گرا زخم دلِ فگار کا

شاد نے اسی خیال کو یوں نظم کیا ہے، مشہور شعر ہے

ہر ایک ذرہ ہے شاہد مری شہادت کا جہاں کی خاک کریدوں وہیں لہو نکلے

شکل امید تو کب ہم کو نظر آتی ہے صورتِ یاس بھی بن بن کے بگڑ جاتی ہے

یعنی اگر پوری ناامیدی ہو جاتی، تو دل کو صبر آجاتا، لیکن کشمکش کی حالت ہے کہ امید بھی رونما نہیں ہوتی، اور قطعی یاس بھی نہیں ہوتی، غالب نے بھی اس نفسی کیفیت کی یوں تصویر کشی کی ہے،

منا ترا اگر نہیں آسان تو سہل ہے دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

فرق نمایاں ہے، مصحفی کے ہاں شاعرانہ استدلال ہے، اور غالب کے ہاں فلسفیانہ،

ترے کوچے اس بہانے مجھے دن کو رات کرنا کبھی اس سے بات کرنا کبھو اُس سے بات کرنا

کوچۂ محبوب میں رہنے کی کیا خوب توجیہ کی ہے، دیوانہ بکارِ خویش ہشیار، خوب شعر ہے،

کبھو تک کے در کو کھڑے رہے کبھو آہ بھر کے چلے گئے
ترے کوچہ میں جو ہم آئے بھی تو ٹھہر ٹھہر کے چلے گئے

میر کا ایک شعر بھی اسی قسم کا ہے،

کہتا تھا کسو سے کچھ تکتا تھا کسو کا منھ کل میر کھڑا تھا یاں سچ ہے کہ دوانہ تھا

مومن کا ایک پرکیف مطلع ہے،

کیونکر یہ کہیں منتِ اعدا نہ کریں گے کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے

اور شیخ مصحفی فرماتے ہیں،

میں نے بھی تیرے عشق میں کیا کیا نہیں کیا سب کچھ کیا ہے پر تجھے رسوا نہیں کیا

مومن عشق میں سب کچھ کر چکے اور آیندہ بھی سب کچھ کرنے کو تیار ہیں، لیکن مصحفی کا خیال زیادہ بلند ہے، وہ اس بات کو فراموش نہیں کرتے کہ کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جس سے محبوب کی رسوائی ہو،

مومن نے حسن کا احترام ملحوظ رکھا تھا، مصحفی سب کچھ کرنے پر بھی حسن کا احترام مدنظر رکھتے ہیں،

ہرگز در اُس کا وا نہ ہوا ہم سے سیکڑوں — سر کو پٹک پٹک پسِ دیوار مر گئے

ظہیر فاریابی نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے،

خلقے زبر تو چو پروانہ سوختند — کس نیست کز حقیقتِ روئش نشان دہد

اسی خیال کو غالب نے بھی یوں نظم کیا ہے،

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے — تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

جو قلزمِ فنا کا مسافر ہوا اُسے — بادِ مراد و موجِ خطر دونوں ایک ہیں

بلند پایہ خیال ہے اور سبق آموز، انشا، اور جرأت کے ہاں ایک شعر بھی ایسا نہیں مل سکتا،

مصحفی میں ایک کمال یہ تھا کہ مشکل زمینوں میں بھی دلکش شعر نکال لیتے تھے، مثلاً:۔

چہرے پہ نازکی سے ہو جوشِ شکستِ رنگ — یہ تازہ گل ہو لالہ فروشِ شکستِ رنگ

اک تو تھا آتشِ سوزان بدنِ سُرخ ترا — شعلہ بر شعلہ ہوا پیرہنِ سُرخ ترا

اک ہاتھ میں گردن ہو صراحی کی مزہ ہو — اور دوسرے میں ساقیِ مخمور کی گردن[1]

کیا جانئے کیا حال ہوا صبح کو اُس کا — ڈھلکی ہوئی تھی شب ترے رنجور کی گردن

پہلے شعر میں ردیف کا اشکال قابلِ غور ہے، ردیف پھر بھی شگفتہ ہے، اور شعر بے تکلف، دوسرے شعر کی تشبیہ میں عجیب جدت و ندرت پائی جاتی ہے، تیسرے شعر میں خمریات کا لطف ہے، اور چوتھے میں میر کی کیفیت پائی جاتی ہے، اور ردیف کے اشکال کا احساس تک نہیں ہوتا، ان اشعار

---

[1] انشا نے بھی خوب کہا ہے:۔

تب عالمِ ہستی کا مزہ ہے کہ پڑی ہو
گردن پہ مری اُس بتِ مخمور کی گردن

میں تمثیل بیان کی آئینہ داری بھی بدرجہ اتم موجود ہے،

غزلوں میں ایسے جذبات و واردات کا اظہار جو عموماً انسانوں اور خاص کر عاشقوں کو پیش آتے ہیں، غزل گو شاعر کا بہت بڑا کمال سمجھا جاتا ہے، ایسے عامۃ الورود حالات کا بیان مصحفی کے ہاں بھی موجود ہے، اور ان کا اظہار تغزل کے ایسے دلکش انداز میں کیا گیا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی،

گھر مرے آ کے شتاب اتنا کہاں جاتے ہو — کہ ابھی تو شبِ ہجران کا گلہ باقی ہے

ایسی مجلس میں گذر اپنا ہوا ہے کہ جہاں — بات تو کیا کہ اشارات کا مقدور نہیں

کیا قیامت ہے کہ وہ سامنے بیٹھا ہے مرے — اور مجھے حرف و حکایات کا مقدور نہیں

ہم پریشانی کی اپنے بھی کریں گے تقریب — تم ذرا اور بھی زلفوں کو بکھر جانے دو

یار کا صبح پہ ہے وعدۂ وصل — ایک شب اور بھی جئے ہی بنے

وصل میں ایسے سے ڈھونڈھے کوئی کیونکر وا شد — جس نے سو ناز سے اک بندِ قبا باز کیا

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم — تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

تیرے بیٹھے جو ہمیں یاد بھی آیا کوئی کام — ہم نے موقوف اُسے وقتِ دگر پر رکھا

اسی سبب تو پریشان رہا میں دنیا میں — کہ سالہا تری زلفوں کی ابتری دیکھی

پاس میرے وہ ترا پیار سے آنا نہ رہا — وہ محبت نہ رہی اور وہ زمانہ نہ رہا

ہو گیا کیا یہ بگاڑ آہ کہ مطلق نہ رہا — روٹھنا تجھ سے مرا اور وہ منانا تیرا

مصحفی ڈر ہے کہ رسوا نہ کرے مجھکو کہیں — اُس کے کوچہ میں یہ ہر وقت کا جانا تیرا

کیا یار کے دامن کی خبر پوچھو ہو ہم سے — یاں ہاتھ سے اپنا ہی گریبان گیا تھا

وہ جو چلتا نہیں ہم اُس کی گلی میں دل کو — در و دیوار سے بہلا کے چلے آتے ہیں

جا کر گلی میں اُس کی پھر آئے بصد غرور — طاقت کا اپنی ہم نے کیا امتحان آج

اے فرطِ شوق تو مجھے رسوا نہ کیجیو
لایا ہون اپنے گھر اُسے قول و قسم کیساتھ

نیند غفلت کی تمھین آتی ہے کیونکر دیکھین
ایک دن ہم بھی سُنا ئین گے فسانہ اپنا

لوگ کہتے ہین محبت مین اثر ہوتا ہے
کون سے شہر مین ہوتا ہی کدھر ہوتا ہی

سادگی دیکھ کہ بوسے کی ہوس رکھتا ہون
جن لبون سے کہ میسر نہین دشنام مجھے

نامہ آتا ہے نہ قاصد نہ خبر آتی ہے
بات بگڑی ہوئی کچھ مجھکو نظر آتی ہی،

جعد تیری جو بڑھے اور تو کیا قہر کرے
اس درازی پہ تو وہ تا بہ کمر آتی ہی

ہی یہ وہ درد کہ جس درد کا چارہ ہی نہین
وان لڑی آنکھ جہان اپنا گذارا ہی نہین

رات سنسان سی مجلس جو نظر آتی تھی
اور سب تھے مگر اک مصحفی زار نہ تھا

غم فرق سے اُس کے اگر نہ خو کرتے
تو رذر وصل کی کس مُنھ سے آرزو کرتے

جو کچھ شکستہ قفس کی بھی تیلیان ملتین
تو ہم اُنھی کو خس و خار آشیان کرتے

غرض کہان تک اس قبیل کے اشعار نقل کرون، ان اشعار مین نفسیاتی کوائف کس قدر دلآویزی کے ساتھ بیان کئے ہین، ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہین،

محاکات یعنی تصویر کشی بھی شاعری کا ایک کمال ہے، مصور اور شاعر مین فرق ہے، دونون کے ہاتھ مین قلم ہوتا ہے لیکن نقاش رنگ و روغن سے کام لیتا ہے، اور شاعر الفاظ، استعارات تشبیہات اور تخیلات سے کام لیتا ہے، مصحفی کے ہان خارجی اشیاء کی تصویرین بہت ہین، بعض شعرون مین انھون نے داخلی پہلو بھی شامل کر دیئے ہین، جس سے شعرون کی کیفیت مین اضافہ ہوگیا ہے، مثلاً

اک ذرا دیکھیو اُس رشک پری کا سُونا
مین تو دیکھا نہین اس بے خبری کا سونا

کس قدر رنگین تصویر ہے، حسرت موہانی نے شاید اسی شعر سے یون فائدہ اٹھایا ہے،

رنگ سوتے مین چمکتا ہی طرحداری کا
طرفہ عالم ہے ترے حُسن کی بیداری کا

حسرت کے شعر مین اک ذرا جدت پائی جاتی ہے، ورنہ مصحفی کے شعر مین بھی کم کیفیت نہین ہی،

زیرِ نقاب آگون ہائے رے اُن کی جالیان
ہم کو تو بس ڈبو گئین نیل[1] کے کڑھے والیان

ہین اسی رشک سے مرتا ہون کہ کل غیر نے بھی
ہاتھ ہنگامِ قسم کیون ترے سر پر رکھا

داغ دیکھے تھا کھڑا لالۂ صحرائی کا
زور عالم نظر آیا ترے سودائی کا

زلف جُھک کر سلام کرتی ہے
رُخ کو، اور رُخ کہے ہی عمر دراز

اُس نازنین کی باتین کیا پیاری پیاریان ہین
پلکین ہین جس کی چُھریان آنکھین کٹاریان ہین

وہ چاندنی رات اور وہ ملاقات کا عالم
کیا لطف مین گذرا ہے غرض رات کا عالم

مصحفی کس کے کھُلے بال تو دیکھ آیا ہے
کہ تری وضع سے شوریدہ سری نکلے ہی

او دامن اٹھاکے جانے والے
ٹک ہم کو بھی خاک سے اٹھالے

داخلی و خارجی رنگ کے جو اشعار مین نے پیش کئے ہین، اُن کے مطالعہ سے یہ حقیقت بے نقاب ہوتی ہے، کہ گو سودا کے کلام مین زور بیان اور شگفتگی مصحفی کے کلام سے زیادہ ہی تاہم تغزل کے نقطۂ نظر سے مصحفی کو سودا پر تفوق حاصل ہے،

اب مصحفی کے کچھ اور منتخب اشعار پیش کرتا ہون،

تقصیر اس مین کچھ تری اے آسمان نہ تھی
آسودگی نصیب دلِ ناتوان نہ تھی

کس کی خاطر کو مقدم رکھون مین حیران ہون
گبر کی جانب ہون یارب یا مسلمان کی طرف

یا گھر سے قدم میرا باہر نہ نکلتا تھا
یا شہر کی گلیون مین رسوا ہی اور مین ہون

ساتھ لے جائے کہان عشق کی رسوائی کو
گور بھی تنگ ملی ہے ترے سودائی کو

اے شبِ ہجر کہین تیری سحر ہے کہ نہین
نالۂ نیم شبی تجھ مین اثر ہے کہ نہین

---

[1] دہلی کا ایک محلہ ہی،

مین بدگمانی سے گھڑون کھڑے ہو سنتا ہون — کرے ہے راہ مین گر گوئی گفتگو تیری

ساتھی بھی ہین تیز قدم ناتوان ہون مین — یعنی وبالِ ہمرہی ہمرہا ہون مین

تمنا ے زلفِ رسا ساتھ ہے — جہان جاؤن مین یہ بلا ساتھ ہے

گرچہ مذکور ہے ہر جا تری رعنائی کا — پر فسانہ نہین کم بھی مری رسوائی کا

گرے جو اُس کی نظر سے تو پھر کہان کے ہوئے — نہ ہم زمین کے ہوئے اور نہ آسمان کے ہوئے

رکھانہ مرے داغ پہ کافور کسی نے — پوچھا نہ میری چشم کا ناسور کسی نے

چاہنے والے ترے میرے سوا اور بھی ہین — مین نہین ایک گرفتار بلا اور بھی ہین

صیاد سے کہو پر پیکان کو آگ دے — اب ہم نے پھر کئے ہین ذرا بال پر درست

افسوس آشیان پہ مرے برق گر پڑی — جب فصلِ گل مین مین نے کئے بال و پر درست

مُنھ اُٹھ گیا جدھر کو ادھر ہی چلے گئے — آوارگانِ شوق کو منزل سے کیا خبر

ہزارون حوادث مین تا زندگی ہے — یہی زندگی ہے تو کیا زندگی ہے

ایسا بھی اتفاق زمانے مین کم ہوا — قاصد کو موت آئی جو نامہ رقم ہوا

شاید اُس کے حُسن مین باقی ہے آرایش ہنوز — روزِ محشر پر جو رکھا وعدۂ دیدار کو

گلی مین اُس کی نہ پوچھو کدھر ہے سجدہ درست — قدم قدم ہے وہان خاک پر ہے سجدہ درست

جب آستانۂ دل پر سرِ نیاز رکھا — تو مصحفی تجھے کب دربدر ہے سجدہ درست

ان اشعار مین کتنی دلآویزی ہے، الفاظ کی نشست، فقرون کا دروبست، مضامین کی پاکیزگی، اسلوبِ بیان کی شگفتگی، یہ سب اوصاف بتا رہے ہین کہ مصحفی ایک بلند پایہ اور خوش فکر شاعر، اور مسلّم الثبوت استاد تھے، مصحفی کا کلام اول اول آبِ حیات مین میری نظر سے گذرا تھا، مین اُس وقت اسکول مین تعلیم پاتا تھا؛ اس کے مطالعہ سے مین نے یہ رائے قائم کی تھی کہ مصحفی کے کلام مین ابتذال ہے

کہنگی ہے، فرسودگی ہے، کھولت ہے، عرصہ تک مین اسی خیال پر قائم رہا لیکن مصحفی کے قلمی دواوین کے مطالعہ کا اتفاق ہوا، تو اپنے جادۂ خیال سے مجھکو ہٹنا پڑا، اور آزاد کے ذوقِ شعری کے فقدان کا ماتم کرنا پڑا، کلام مصحفی کے غائر مطالعہ سے جو تاثرات میرے دل مین پیدا ہوئے، ان کا اظہار ضروری سمجھا، اور کلام کی خوبیون نے مجبور کیا کہ مصحفی کے کمالِ شاعرانہ کی شہادت دی جائے، یہی چیزین اس مقالہ کی ترتیب کی محرک ثابت ہوئین، اس آئینہ خانہ مین مصحفی کے کمالِ شاعرانہ کے تمام خط و خال کو نمایان کرنے اور ابتداے مقالہ مین غزل کی صورت مین مصحفی کا جو شاعرانہ ادعا پیش کیا گیا ہے، اُس کو صحیح ثابت کرنے اور واقعیت کا جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی ہے،

سلسلۂ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و غزوات، اخلاق و عادات اور تعلیم و ارشاد کا عظیم الشان کتابی ذخیرہ جسکا نام سیرۃ النبیؐ ہے، یہ کتاب چھوٹی اور بڑی دونون سائز پر چھپی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:-

قیمت بڑی تقطیع	قسم اول	قسم دوم	قیمت چھوٹی تقطیع	قسم اول	قسم دوم
حصہ اول	.	.	حصہ اول	عہ ر	.
حصہ دوم	عہ ر		حصہ دوم	ے ر	.
حصہ سوم	ے ر		حصہ سوم	لعہ ر	
حصہ چہارم	لعہ ر	معہ ر	حصہ چہارم	زیر طبع	
حصہ پنجم	ے ر	صہ ر	حصہ پنجم	عہ ر	
حصہ ششم	ے ر	صہ ر	حصہ ششم	لعہ ر	ہعہ

"منیجر"

ادبیات

مقامِ شوق

از جناب شہ زور کاشمیری

ہر ایک سمت ہے مواج بحرِ رحمت و نور — ہر ایک شے سے ٹپکتا ہی کیفِ نور و ظہور
ہین مجھ سے عرشِ معلّٰی کی رفعتین قائم — ہے لامکان کی وسعت کو مجھ پہ ناز و غرور
مقامِ قرب نہین اور کوئی مجھ سے بلند — کہ ایک جست سے کچھ کم ہی عرش مجھ سے دور
مرے مناظرِ بے مثل سے ابھرتا ہے — وہ سوز جس سے برستا ہی روح و دل کا سُرور
نگاہ و قلب کی پاکیزگی بھی شاہد ہے، — کہ میرے خارِ چمن مین ہین جنتین مستور
بقدرِ تشنگیٔ روح و قلب ہر ساعت — شراب تیز سے ہین میرے میکدے معمور
حیات روح کی پروردگار ایک آتش — یہی ہے میرا غیاب اور یہی ہے میرا حضور
وہ دل کی دھڑکنین دیتا ہون خاکیون کو مین — جو قدسیون کا بھی کرتی ہین انشراحِ صدور
کلیم بنتا ہے میری فضا مین آکے شبان — ہے میرے جوشِ نمو کا نکھار جلوۂ طور
مقامِ شوق مین رہبر رضا و صبر و جنون — مقامِ شوق مین رہزن ذکا و فہم و شعور

تو میری بزم تک آکر بھی مجھکو پا نہ سکا
مین کیا کرون یہ ہے تیرے دل و نظر کا قصور

مطبوعات جدیدہ

احکام القرآن از جناب مولوی ثناء اللہ صاحب بی اے ممبر کونسل تقطیع بڑی ضخامت ۳۴۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد قسم اول ۳ قسم دوم ۲/۸ پتہ:- مکتبہ ادارہ تعلیمات اسلام نمبر ۳، امین آباد پارک لکھنؤ،

اسلام محض عقائد و عبادات کا مجموعہ نہین ہی، بلکہ اُس کی تعلیمات انسانی زندگی کے تمام شعبون پر حاوی ہین، اور اُس مین عقائد و عبادات کے ساتھ معاملات اخلاق اور حسن معاشرت وغیرہ کے متعلق بھی مفصل ہدایتین و احکام موجود ہین، عربی مین احکام القرآن پر مستقل کتابین ہین، اردو کی بعض مذہبی کتابون مین بھی متفرق طور سے یہ احکام مل جاتے ہین لیکن اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب موجود نہین ہے، مصنف نے اس کتاب مین عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور حسن معاشرت کے متعلق بیشتر احکام قرآنی کو ترتیب کے ساتھ مرتب کر دیا ہے اور اس کا ترجمہ کرکے اس کی ضروری تشریح، اُس کے لوازم و شرائط اور اُن سے متعلق دوسرے مفید متفرق معلومات بھی دیدیئے ہین جس سے اس کتاب کا فائدہ بہت بڑھ گیا ہے، تشریحات معتبر کتابون سے ماخوذ ہین، اور مصنف کا انداز تحریر دلنشین ہے، گویہ کتاب طالب علمون کے لئے لکھی گئی ہے، مگر اپنے فوائد کے لحاظ سے ہر مسلمان کے مطالعہ کے لائق ہے،

نماز کی حقیقت از جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی تقطیع اوسط ضخامت ۹۵ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عمر:- دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ،

نماز درحقیقت اللہ تعالیٰ کی الوہیت اس کی عظمت و کبریائی اور بندہ کی عبدیت اور عجز و درماندگی

کا اعتراف اور اللہ تعالیٰ سے دعا واستعانت ہی، اس لئے اسلامی عبادات مین سب سے زیادہ اہمیت نماز کو حاصل ہی، اور کلام مجید واحادیث نبوی مین اس کی بڑی فضیلت اور اُس کے پڑھنے کی بڑی تاکید اور اُس کے ترک پر بڑی وعید ہے، اور اُس کے بڑے دنیاوی واُخروی فضائل و برکات بیان کئے گئے ہین، لیکن آج کل عموماً مسلمان نماز ہی سے غافل ہین، جو لوگ پڑھتے بھی ہین، اُن کی نمازین بھی بے روح ہوتی ہین، اسی لئے اُن سے موعودہ فوائد وثمرات بھی حاصل نہین ہوتے، فاضل مصنف نے اس رسالہ مین موثر اور دلپذیر انداز مین کلام مجید اور احادیث نبوی سے نماز کی اہمیت وعظمت اس کی روح وحقیقت اُس کے ظاہری شرائط، اور باطنی آداب وکیفیات اُس کے دنیاوی واُخروی فوائد وبرکات وغیرہ کو پورے بسط وشرح کے ساتھ تحریر کیا ہے، درحقیقت نماز اسلامی تعلیمات کا عطر وخلاصہ ہے، اور اس سے سارے دینی محاسن پیدا ہوجاتے ہین، اگر پورے شرائط کے ساتھ نماز ادا کی جائے، تو دینی حیثیت سے قطع نظر نفسیاتی طور سے بھی نماز پڑھنے والے کی زندگی اسلامی رنگ مین رنگ جائیگی، اس لئے اس رسالہ مین گویا اسلام کی پوری روح آگئی ہے، اُس ضمناً اور بہت سے فوائد ومعلومات بھی آگئے ہین، اردو مین اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب نہین لکھی گئی ہے، اور وہ بخصوصیت کیساتھ تعلیم یافتہ طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہے،

منشور اقوامِ متحدہ ودیگر بین الاقوامی دساتیر ودستاویزات — مترجمہ جناب احمد عبداللہ المسدوسی بی اے ایل ایل بی تقطیع اوسط ضخامت ۵۰۴ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ؏ غیر مجلد ۔ پتہ: مکتبہ خدام ملت، اے ایم ۲۴، فریر روڈ کراچی،

آج کل بین الاقوامی معاملات ومسائل اتنے مشترک اور عالمگیر ہوگئے ہین کہ پوری دنیا ایک ملک بن گئی ہے، اور کوئی ملک وقوم دوسری قوم وملک کے حالات سے بے نیاز نہین رہ سکتا، اور اپنے کو ان معاملات سے بے تعلق نہین رکھ سکتا، اور بین الاقوامی تنظیمون اور معاہدون کے بغیر دنیا کا امن وامان قائم نہین رہ سکتا، اس مقصد کے حصول کے لئے مرحوم جمعیۃ الاقوام کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک مختلف

بین الاقوامی ادارے قائم اور مختلف قومون کے درمیان معاہدے ہوئے، لائق مترجم نے اس کتاب مین منشور اقوام متحدہ، میثاق مجلس اقوام، میثاق اٹلانٹک، منشور اٹلانٹک تنظیم بعد از جنگ کے متعلق قراردون، اعلان متحدہ اقوام، اقوام متحدہ کی امداد وبحالی کے نظم ونسق، دستور العمل بین الممالک عدالت وانصاف، بین الاقوامی تنظیم، بین الاقوامی بینک برائے تنظیم نو، بین الاقوامی تنظیم صحت وغیرہ بائیس بین الاقوامی تنظیمون اور معاہدون اور ان کی دستاویزون کا اردو ترجمہ کردیا ہے، اردو مین اس موضوع پر یہ پہلی جامع کتاب ہی، دستاویزون کے ترجمہ مین الفاظ کی پابندی کا لحاظ رکھا گیا ہے، اس لئے شگفتہ اور سلیس نہین ہے،

محمد بن عبدالوہاب — ازجناب مولانا مسعود عالم صاحب ندوی تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۱۲؏: مکتبہ خدام ملت اے نمبر ۲۴ فریر روڈ کراچی،

یہ مصنف کی مشہور ومقبول کتاب ہی جس کے کئی اڈیشن نکل چکے ہین، یہ تیسرا اڈیشن ہے، اس کے پہلے اڈیشن پر معارف مین مفصل ریویو ہوچکا ہے، اس مین جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے، مشہور مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے سوانح، مجاہدات اور اصلاحی کارنامون کی تفصیل اور اُن کی تصانیف وعقائد پر تبصرہ ہے، آخر مین ان الزامون کی تردید کی گئی ہے، جو شیخ کے مخالفین اُن پر لگاتے ہین،

کتاب الجنائز — از مولانا محمد عبدالرحمن صاحب مرحوم مبارکپوری تقطیع بڑی ضخامت ۱۱۱ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۱۲؏ پتہ:۔ حکیم عبدالسمیع صاحب ناظم دواخانہ مفید عام محلہ صوفی پورہ مبارک پور ضلع اعظم گڈھ؛

ہر انسان خصوصاً ایک مسلمان کی زندگی کا آخری مرحلہ یعنی موت نہایت نازک ہوتا ہے، اس لئے احادیث مین موت اور اس کے متعلقات کے متعلق بہت سے احکام وہدایات ہین، فقہ کی کتابون مین کتاب الجنائز کے نام سے ان کا مستقل باب ہوتا ہے لیکن مسلمان عموماً ان مسائل سے کم واقف ہین، اسلئے مرحوم مصنف نے اس کتاب مین سکرات کے وقت سے لیکر تجہیز وتکفین اور اس کے بعد تک کے متعلق مذہبی

احکام تحریر کر دیئے ہین، رسالہ اپنے معلومات کے لحاظ سے مفید ہے،

دعائین مرتبہ مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۳ ر پتہ:- مکتبہ اسلام گوئن روڈ، لکھنؤ،

ایک مسلمان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کا ہر گوشہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور امداد و دستگیری کا محتاج ہے، اس لئے حدیثون مین ہر مشکل ہر مصیبت اور ہر برائی سے بچنے اور ہر نیکی اور بھلائی کی طلب و توفیق کی دعائین موجود ہین، لائق مؤلف نے اس رسالہ مین مختلف موقعون کی ماثور دعاؤن کو ترتیب کے ساتھ مع ترجمہ مرتب کر دیا ہے،

اشرف الکلام:- از جناب سید شاہ ذکی اشرف صاحب کچھوچھوی تقطیع چھوٹی ضخامت:- ۹۲ صفحے، کاغذ، کتابت، و طباعت بہتر، قیمت عہ ر، پتہ:- مولانا سید شاہ عبد الحی صاحب سجادہ نشین، ڈاکخانہ بگھاری ضلع فیض آباد، (۲) مولوی سید ذکی اشرف صاحب تعلقہ کنٹر ضلع اورنگ آباد دکن،

یہ کتاب جناب مصنف کے کلام کا مجموعہ ہے، انھون نے اگرچہ ادبی رسالون کے ذریعہ شاعرانہ شہرت حاصل نہین کی، لیکن وہ ایک خوش مذاق اور کہنہ مشق شاعر ہین، اور اُن کے کلام مین زبان کی صحت و صفائی خیالات کی پاکیزگی، اور مشق و ممارست کی پختگی نمایان ہے، اُن کو حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف نسبت حاصل ہے، اس نسبت کی کیفیت بھی اس کلام مین جا بجا موجود ہے، امید ہے، کہ اصحاب ذوق اس سے لطف اندوز ہون گے،

"م"

جلد ۶۷ ماہ جمادی الاول ۱۳۷۰ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۵۱ء عدد ۳

مضامین

مقالات

تلخیص و تبصرہ

ادبیات